قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا چوہترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

جون 2017ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ



رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی تھی وہ قرآن جو تمام نوعِ انسانی کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی ایسی راہ بتاتا ہے جو واضح اور ابھری ہوئی ہے اور جو مستقل اقدار کے پیمانے پیش کرتا ہے تاکہ حق و باطل میں تمیز ہوتی رہے۔ (2:185)

(مفہوم القرآن سے ایک اقتباس)

طلوعِ اسلام کے قارئین کو رمضان مبارک ہو

طلوعِ اسلام کا مقصد

جو احباب طلوع اسلام سے تعارف نہیں رکھتے ان کی آگاہی کے لئے ہم طلوع اسلام کے مقصد کو وقتاً فوقتاً سامنے لاتے رہتے ہیں:

1- تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کرسکتی۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت۔

2- خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے ابد تک ضابطہ ہدایت ہے۔ لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے نہ کوئی نبی یا رسول آسکتا ہے۔ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور حضور رسالتماب ﷺ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

3- قرآن کریم کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور چونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

4- نبی اکرم ﷺ کی سیرت مقدسہ شرف و عظمت انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی یا یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضور ﷺ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔ اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ یہی اصول صحابہ کبارؓ کی سیرت مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہئے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

5- دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظام مملکت کی رو سے ہوسکتی ہے اس کے بغیر دین (جو نظام زندگی کا نام ہے) متمکن نہیں ہوسکتا۔

6- رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت امت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔

7- رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا وہی نظام حضور ﷺ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا۔ اس میں امور مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو

بقیہ صفحہ نمبر 68 پر

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور

جون 2017ء

جلد 70 | شمارہ نمبر 06

اس شمارے میں

عنوان	منصف	صفحہ نمبر
روزوں کا مقصود و منتہیٰ	غلام احمد پرویز	4
پرویز صاحب اور اُن کے نظریات کا تعارف	ملک منظور حسین لیل	11
حیوان اور انسان	اشفاق احمد	18
افتتاحی تقریب	عادل مشتاق	21
اقبال اور جناح	ڈاکٹر حامد میاں	28
اعجاز القرآن	خواجہ ازہر عباس	30
بچوں کے لیے خصوصی تحریر جسے بڑوں کو بھی پڑھنا چاہئے!	عارف محمود کسانہ	40
دو قومی قرآنی نظریہ پر مطالبہ پاکستان (قسط چہارم)	ڈاکٹر انعام الحق	44
نکتہ شرع مبین	شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ	53

ENGLISH SECTION

Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل)** **(Episode-2)**

Chapter 10: Morning's melody (نوائے صبح گاہی)

(Tulu-e-Islam Convention, November, 1967)

By G. A. Parwez (Translated by: M. Alam) **62**

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون:
پاکستان: 50 روپے فی پرچہ
550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 800 روپے سالانہ
بیرونِ ملک: 2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 5000 روپے سالانہ

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore
For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465-22-003082-7
For International Transactions
IBAN: Pk21 NBPA 0465 0022 0003 0827
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام
25-B گلبرگ 2، لاہور
54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546 , Cell: 0321-4460787
idarati@gmail.com
www.facebook.com/Talueislam

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر 25-B، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

تو رازِ کن فکاں ہے، اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا
ہوس نے کردیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہوجا، محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی، وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل! اچھل کر بے کراں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغِ حرم! اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا
خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سر زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا
مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر
شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ وبیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا
ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

غلام احمد پرویزؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

روزوں کا مقصود و منتہیٰ

(پرویز صاحبؒ کا ایک درسِ قرآنِ مجید)

عزیزانِ گرامی قدر! درسِ قرآن کے سلسلہ کے اعتبار سے آج سورۃ النمل کی اگلی آیت سے سلسلۂ کلام شروع ہونا چاہئے تھا لیکن احباب کے تقاضا کے پیشِ نظر آج کا درس روزہ کے موضوع کے لئے مختص کیا جا رہا ہے۔ میں اس درس میں روزوں کے مسائل کے متعلق بات نہیں کروں گا۔ یہ احکام سورۂ بقرہ کی تین چار آیات (2:183۔187) میں نہایت جامعیت سے بیان ہوئے ہیں' اس لئے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ ان کے بجائے میں اس امر کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کی رو سے روزوں کا مقصد کیا ہے؟ ان کی غایت کیا ہے؟ یہ کیوں فرض قرار دیئے گئے ہیں؟

قرآنِ کریم کی ایک خصوصیت (بلکہ جہاں تک میری نگاہ کام کرتی ہے اس کی انفرادیت) یہ بھی ہے کہ یہ جب کوئی حکم دیتا ہے تو اس کے ساتھ اس کی وضاحت بھی کر دیتا ہے کہ یہ حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اس کی غرض و غایت کیا ہے؟ اس پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ کیا ہوگا؟ مثلاً اس قسم کی آیات آپ کو کئی ایک مقامات پر ملیں گی:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔(4:113)

''اے رسولؐ! اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے''۔

کتاب کے معنیٰ احکام یا قوانین کے ہیں اور حکمت سے مراد' ان احکام و قوانین کی غرض و غایت۔ یہ دونوں منزل من اللہ ہیں۔ احکام کے سلسلے میں یہ انداز' عظیم حکمتِ بالغہ پر مبنی ہے۔ اگر کسی کو کوئی حکم دیا جائے لیکن اس کی غرض و غایت نہ بتائی جائے۔ یعنی اسے یہ نہ بتایا جائے کہ اسے وہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے تو وہ اس کی تعمیل طوعاً و کرہاً کرے گا' بطیب خاطر نہیں کرے گا۔ مستبد حکومتیں اسی طرح احکام صادر اور نافذ کرتی ہیں۔ لوگ ان پر بامرِ مجبوری عمل پیرا ہوتے ہیں اور اسی لئے ان سے گریز کی راہیں تراشتے اور فرار کے طریقے سوچتے رہتے ہیں۔ اگر انہیں بتا دیا جائے کہ ان احکام کی اطاعت سے انہیں کیا حاصل ہوگا۔ اس میں خود ان کے کیا کیا فوائد مضمر ہیں تو وہ ان پر دل و دماغ کی کامل رضامندی سے عمل پیرا ہوں گے اور ان سے منحرف ہونے کا خیال تک بھی دل میں نہ لائیں گے۔ کتاب کے ساتھ حکمت کی وضاحت کی پہلی مصلحت یہ ہے۔

دوسرے یہ کہ جب آپ کو بتا دیا جائے کہ اس حکم کی تعمیل کا نتیجہ یہ ہوگا تو آپ قدم قدم پر اس کا جائزہ لیتے جائیں گے کہ اس حکم کی صحیح معنوں میں تعمیل ہو رہی ہے یا نہیں۔ اگر اس حکم کی غایت نہ بتائی جائے تو آپ اس پر بلا سوچے سمجھے مکینکی طور پر عمل کرتے رہیں گے اور کبھی یہ نہیں دیکھ سکیں گے کہ اس حکم کی تعمیل صحیح طور پر ہو رہی ہے یا نہیں۔ اور اگر آپ نے اپنے ذہن میں فرض کر لیا کہ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا تو آپ بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے اور ہو سکتا ہے کہ آپ کی ساری محنت رائیگاں چلی جائے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ڈاکٹر مریض کے لئے ایک دوائی تجویز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دوائی دینے کے بعد مریض کا ٹمپریچر لیتے جائیں۔ ہر گھنٹے کے بعد کم از کم ایک ڈگری بخار کم ہو جائے گا۔ آپ مریض کو دوا پلاتے ہیں اور ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس کا ٹمپریچر لیتے ہیں۔ اگر بخار کم ہو رہا ہے تو آپ کو اطمینان ہوگا اور آپ علاج جاری رکھیں گے لیکن اگر آپ دیکھیں کہ بخار کم نہیں ہو رہا تو آپ کو از سرِ نو جائزہ لینا ہوگا کہ یا تو مرض کی تشخیص صحیح نہیں ہوئی یا دوائی ٹھیک نہیں ملی اور یا اس کی استعمال میں آپ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ یہ نہیں ہوگا کہ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق نتیجہ برآمد نہ ہو اور آپ بدستور وہی دوائی دیتے چلے جائیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو اس کا جو نتیجہ نکل سکتا ہے ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں کوئی حکم دیا ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے سے نتیجہ کیا نکلے گا۔ اگر اس کا وہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تو آپ کو رک کر سوچنا ہوگا کہ اس حکم کی تعمیل میں آپ سے کیا غلطی ہو گئی ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ آپ کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ اس حکم کی غلط تعمیل کے نقصانات سے بھی آپ محفوظ رہیں گے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (2:183)۔ ''اے جماعتِ مومنین! تم پر صیام فرض قرار دیئے گئے ہیں''۔ یہ ''کتاب'' یعنی حکم ہے۔ اس کی غایات کے متعلق کہا:

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (2:183)۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (2:185) اور وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (2:185)۔

تَتَّقُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ تم میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت کے لئے پختگی پیدا ہو جائے اور تم غلط راہوں پر چلنے کے نقصانات سے محفوظ ہو جاؤ۔ تَشْكُرُوْنَ سے مقصود یہ ہے کہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کر دیں۔ میں ان دو غایات کے متعلق سرِ دست تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ قرآن کریم نے جو غایت الغایات بتائی ہے اس پر مرکوز رہوں گا اور وہ غایۃً الغایات یہ ہے کہ تم خدا کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل کرنے سے اس قابل ہو جاؤ گے کہ دنیا میں خدا کی کبریائی قائم کر سکو۔ یہ ہے روزوں کے متعلق حکم خداوندی کا مقصود و منتہیٰ۔ یعنی خدا کی کبریائی قائم کرنے کے قابل ہو جانا:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (2:185)

سب سے پہلے لفظ ''کبریائی'' کو لیجئے۔ اس کے معنی حکومت اور اقتدار کے ہیں۔ سورہ یونس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ فرعون کے پاس گئے اور اس تک خدا کا پیغام پہنچایا تو اہلِ فرعون نے کہا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ہم اس کی غرض و غایت کو خوب پہچانتے ہیں۔ یعنی یہ کہ وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ط (10:78)

''تمہارا مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں حکومت تمہاری قائم ہو جائے۔ اقتدار تمہارے ہاتھ میں آ جائے''۔ اس سے لفظ ''کبریائی'' کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

جہاں تک خارجی کائنات کا تعلق ہے اس میں خدا کا اقتدار اور اس کی حکمرانی براہِ راست قائم ہے۔ تمام کارگہۂ کائنات اسی کے قوانین کے مطابق سرگرمِ عمل ہے اور اس میں کسی شے کو مجالِ انحراف نہیں' یارائے سرکشی نہیں: وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (45:37)۔ ''کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کبریائی خدا کی ہے۔ وہ زبردست غلبہ کا مالک ہے لیکن اس کا غلبہ مستبد حکمرانوں کا غلبہ نہیں۔ وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔'' دوسری جگہ ہے: وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ (43:84)۔ ''وہی آسمانوں میں بھی صاحبِ اقتدار ہے اور وہی ارض پر بھی صاحبِ اقتدار۔'' (الٰہ کے معنی صاحبِ اقتدار کے ہیں)۔

خارجی کائنات میں تو خدا کا اقتدار ازخود قائم ہے۔ لیکن اس کی مشیت کا پروگرام یہ ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اس کی کبریائی ازخود انسانوں کے ہاتھوں قائم ہو۔ اسی مقصد کے لئے رسول بھیجے جاتے تھے اور رسول کے بعد اس کی ذمہ داری اس کی امت پر عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ کو منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تو آپ کو حکم دیا گیا کہ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ''اے وہ کہ جس کی آمد سے خزاں دیدہ گلشنِ کائنات بہارِ نو کا مظہر بن جائے گا۔ (الْمُدَّثِّرُ کے یہی معنی ہیں)۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ ''اٹھ اور نوعِ انسان کو ان کے اپنے وضع کردہ نظام ہائے حیات کی تباہ کاریوں سے آگاہ کر دے''۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (74:1-2)۔ ''اور ان نظاموں کی جگہ اس نظام کو قائم کر جس میں کبریائی صرف خدا کے لئے ہو''۔۔۔ یہ تھا منصبِ رسالت۔

دوسرے مقام پر اسی حقیقت کو جن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیل بڑی وسعت چاہتی ہے لیکن میں ان میں سے صرف دو ٹکڑوں کو نمایاں طور پر سامنے لاؤں گا۔ وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ ''حکومت صرف اسی کے لئے مختص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا''۔ اور اس سے آگے ہے: وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۔ (17:111) ''لہٰذا تم اس کی کبریائی قائم کرو''۔ اسی اعتبار سے خدا نے اپنے آپ کو ایک جگہ: الْمُتَكَبِّرُ ۭ (59:23) کہا ہے۔ کہیں الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ (13:9) اور کہیں: الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (22:62)۔ ہماری دنیا میں وہ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ کیسے قرار پاتا ہے اس کی وضاحت اس نے یہ کہہ کر کر دی کہ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (40:12)' تمہاری دنیا میں حکم صرف اس خدا کا چلنا چاہئے جو ہر قسم کے غلبہ اور کبریائی کا مالک ہے۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نہ تو ہمارے سامنے آتا ہے۔ نہ وہ تختِ حکومت پر بیٹھتا ہے۔ نہ ہم اس کی آواز سنتے ہیں۔ تو ہمارے معاشرے مین اس کی حکومت کیسے قائم ہوگی؟ اس کے لئے اس نے خود ہی بتا دیا کہ۔۔۔ اس نے ہماری طرف اپنا ضابطۂ احکام بھیج دیا ہے۔ جو حکومت اس ضابطہ کے مطابق قائم ہوگی اسے خدا کی حکومت سے تعبیر کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5:44)۔

جولوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے ان ہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

لیکن خدا کی یہ کبریائی یونہی بیٹھے بٹھائے' وعظ ونصیحت یا تقاریر وخطابات سے قائم نہیں ہو جاتی۔ جب اس کا مقصد دنیا کے ہر نظام کو الٹ کر اس کی جگہ نظامِ خداوندی کو متمکن کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر حکومت کی طرف سے اس کی مخالفت ہوگی اور ہر مفاد پرست گروہ اس کی مزاحمت کرے گا۔۔۔ان مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلے کے لئے میدان جنگ تک میں بھی جانا پڑے گا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں جماعتِ مومنین کی ان جنگوں کی غایت یہ بتائی گئی ہے:

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ (9:40)

اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر غیر خداوندی نظام مغلوب ہو جائے اور خدا کا نظام جسے غالب ہونے کا حق حاصل ہے' عملاً مسلط ہو جائے۔

اس سے چند ہی آیات پہلے کہا گیا ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (9:33)

خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت اور حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا تا کہ یہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آ جائے۔ خواہ یہ تبدیلی ان لوگوں پر گراں کیوں نہ گزرے جو خالص حکومتِ خداوندی قائم نہیں کرنا چاہتے۔

یہاں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ اس نے رسول کو اس مقصد کے لئے بھیجا۔ لیکن دیگر مقامات پر اس کی وضاحت کر دی کہ نظام خداوندی کا قیام تنہا رسول کے ہاتھوں سے عمل میں نہیں آئے گا۔ اس کے لئے جماعتِ مومنین کی معاونت ورفاقت بھی ضروری ہوگی۔ یعنی یہ فریضہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ (48:29) کے ہاتھوں سرانجام پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے الاعلیٰ اپنے آپ کو کہا تھا لیکن جس جماعتِ مومنین کے ہاتھوں اس کی کبریائی دنیا میں قائم ہوتی ہے۔ اس نے انہیں اَلْاَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا: وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (3:139)۔ ''اگر تم مومن ہو اور مومن رہو گے تو دنیا میں تم ہی سب پر غالب رہو گے''۔ تمہارا قائم کردہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آ جائے گا۔ اس غلبہ وتسلط کے لئے قرآن کریم نے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی شرط عائد کر دی ہے۔ ''یعنی اگر تم مومن ہوئے تو''۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ ہم مومن ہیں یا نہیں؟ اس کے لئے قرآن نے خود یہ واضح کر دیا کہ جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ مومن نہیں' کافر ہیں لہٰذا مومن وہ ہیں جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرتے ہیں اور اس کی محسوس نشانی یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہر قوم پر غالب رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے واضح طور پر کہہ دیا کہ:

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (4:141)

خدا کبھی ایسا نہیں ہونے دے گا کہ غیر خداوندی نظام کی حامل قوم کو جماعتِ مومنین پر غالب آنے دے۔

لہٰذا یہ متعین کرنا بالکل آسان ہو گیا کہ ہم مومن ہیں یا نہیں؟

یہاں ایک عظیم نکتہ سامنے آتا ہے۔ خدا مومنین سے کہتا ہے کہ: اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۔ لیکن مومن اس کی عطا کردہ اس سرفرازی کے جذبۂ تشکر کے احساس سے بے ساختہ اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ہے اور انتہائی انکساری اور خاکساری کے عالم میں کہتا ہے کہ الاعلی میں نہیں۔ سبحن ربی الاعلی۔۔ الاعلی کے شایان شان صرف تیری ذات ہے۔ یہ تو تیری عاجز نوازیاں ہیں، جو ہمیں اَلْاَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یہ علو مرتبت ہماری ذاتی نہیں، تیری عطا فرمودہ ہے۔ اگر ہمارا سر تیرے سامنے نہیں جھکتا تو یہ ساری کبریائی جو ہمیں حاصل ہوئی ہے فرعون کی قہرمانیت ہے، مومن کی علوشان نہیں۔ اسی بنا پر قرآن کریم نے حق پر مبنی کبریائی اور باطل پر مبنی کبریائی میں فرق کر کے بتا دیا جب کہا:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ (7:146)

جو لوگ الحق کے بغیر زمین میں غلبہ اور کبریائی حاصل کر لیتے ہیں، ہم اپنے قوانین کی رو سے انہیں اس مقام سے ہٹا دیں گے اور ان کی جگہ وہ قوم لے لے گی جس کی کبریائی الحق پر مبنی ہو گی۔

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ روزوں کی غرض و غایت اور مقصود و منتہیٰ کیا تھا؟ ان کا مقصد جماعتِ مومنین کو اس کے لئے تیار کرنا تھا کہ وہ دنیا میں خدا کی کبریائی متمکن کر سکیں۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ صدرِ اول کی جماعتِ مومنین تیرہ برس تک مکہ کی زندگی گذارنے کے بعد مدینہ میں آئی تا کہ یہاں کی نسبتاً مساعد فضا میں نظامِ خداوندی کی بنیاد رکھ دی جائے، لیکن مخالفین نے انہیں یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ تھا وہ مقام جب پہلی مرتبہ (2ھ میں) روزے فرض ہوئے اور ابھی سترہ دن کے روزے ہی رکھے گئے تھے کہ انہیں بدر کے میدان میں اترنا پڑا اور وہاں ان روزہ داروں نے خدا کی کبریائی کی پہلی اینٹ رکھ دی۔ آپ نے غور فرمایا کہ روزوں کی غایت کیا تھی؟۔۔۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ خدا کے پروگرام کے مطابق ملک میں اس کی کبریائی قائم کرنا۔ اس زمانے میں مستقل فوج (Standing Army) ہنوز وجود میں نہیں آئی تھی۔ قرآنِ مجید نے تمام مومنین کو مجاہدین (فوج کے سپاہی) قرار دیا تھا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ جس طرح آج کل مستقل فوج سے الگ۔۔۔ (Reservists) ہوتے ہیں۔ وہ اپنا اپنا کاروبار کرتے رہتے ہیں لیکن انہیں سال میں ایک آدھ ماہ کے لئے بلا لیا جاتا ہے تا کہ وہ فوجی ٹریننگ کی تجدید کر لیں اور بوقتِ ضرورت فوج کے ہمدوش میدان جنگ میں نبرد آزما ہوں۔ خدا کی کبریائی کا تمکن مومن مجاہدین کا فریضہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کا مہینہ انہیں سپاہیانہ زندگی کا خوگر بنانے کے لئے مختص کر دیا گیا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے جب سوال کیا گیا کہ مومن کی زندگی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب جنگ ہو رہی ہو تو وہ میدان جنگ میں ہو اور

جب جنگ نہ ہو رہی ہو تو وہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو۔

آپ نے دیکھا کہ مومن کی زندگی کا مقصود و منتہیٰ دنیا میں خدا کی کبریائی کو متمکن کرنا ہے اور یہی مقصد روزوں کا بتایا گیا ہے۔ اس کے لئے رمضان کے مہینے کی تخصیص کیوں کی گئی' اسے خود خدا نے یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (2:185)۔ ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔'' قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کے لئے نعمت عظمیٰ قرار دیا ہی اور ان سے کہا ہے کہ تم ایسی عظیم متاع کے ملنے پر جشن مسرت مناؤ۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ (10:58)

اے رسول! ان سے کہہ دو کہ تمہیں یہ متاعِ گراں بہا بلا مزد و معاوضہ مل گئی ہے۔ اس کے ملنے پر تم جشن مناؤ۔ تم جو کچھ بھی دنیا میں جمع کرو' یہ اس سے زیادہ گراں قدر ہے۔

لہٰذا' جسے عیدالفطر کہا جاتا ہے وہ درحقیقت جشنِ نزول قرآن ہے۔ قرآن' خدا کی کبریائی کا ضابطۂ ہدایت ہے اور رمضان کے مہینے کے روزے مجاہدین کو خدا کی کبریائی قائم کرنے اور مستحکم رکھنے کا پروگرام۔ اس پروگرام کے بخیر و خوبی انجام پانے پر جشن مسرت بالکل فطری عمل ہے۔

یہ تھا دین میں روزوں کا مقصد۔ یعنی وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ تاکہ زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے لیکن جب دین' مذہب میں تبدیل ہو گیا تو قرآن کریم کے یہ الفاظ تو باقی رہ گئے لیکن ان کی غرض و غایت بالکل بدل گئی۔ آپ قرآن کریم کا کوئی سا باترجمہ نسخہ اٹھا کر دیکھیں۔ اس میں ان آیات کا ترجمہ ان الفاظ میں ملے گا۔ ''تاکہ تم خدا کی بڑائی کرو''۔ یعنی دین میں ان الفاظ کا مفہوم' خدا کی کبریائی قائم کرنا تھا۔ مذہب میں ان کا مطلب خدا کی بڑائی بیان کرنا رہ گیا۔ کبریائی قائم کرنے اور بڑائی بیان کرنے میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ اس ''بڑائی بیان کرنے'' کے حکم کی اطاعت کے متعلق کہا گیا کہ نماز عید میں جو چھ تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں' ان سے اس حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ اذان۔ نماز اور عیدین کی تکبیریں اپنی اپنی جگہ بجا اور درست' لیکن یہ تکبیریں ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ' یا ایک واقعہ کا اعلان تھیں۔ یعنی اس واقعہ کا اعلان کہ یہاں خدا کی کبریائی قائم ہے۔ اس حقیقت کے وقوع پذیر ہوئے بغیر' اس قسم کے اعلانات صرف چند الفاظ کا اعادہ ہیں۔ حقیقت اور اس کی رسمی ادائیگی کا یہی وہ فرق تھا جس کے احساس سے اقبالؒ کے دردمند دل نے باصد آہ و فغاں کہا تھا کہ ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّا کی اذاں اور' مجاہد کی اذاں اور!

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور

یہ مجاہد کی اذان تھی جو دن میں متعدد بار چھت اور مینارہ پر کھڑے ہو کر، دنیا میں اعلان کرتی تھی کہ

اللہ اکبر

کبریائی صرف خدا کے لئے ہی مختص ہے۔ اس میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا اور اس کے بعد وہ اعلان کرتا تھا کہ:

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ

میرا یہ اعلان اس حقیقت کی شہادت دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ اس اعلان میں یہ نہیں کہا گیا کہ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں یا اعلان کرتا ہوں۔ کہا یہ گیا کہ میں اس حقیقت کی ''شہادت دیتا ہوں''۔ شہادت اسی کی قابلِ قبول ہوتی ہے جسے اس بات کا ذاتی طور پر علم ہو۔ جو اس کا عینی شاہد ہو۔ اگر کوئی شخص عدالت میں جا کر یہ کہے کہ مجھے اس واقعہ کا ذاتی طور پر تو علم نہیں۔ میرا خیال یہ ہے یا میں نے ایسا سنا ہے تو اس کی شہادت کا قابل قبول ہونا تو درکنار، اسے درخورِ سماعت بھی نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا اشھد ان لا الٰہ اسی کا قابلِ قبول ہوگا جو یہ کہے کہ میں اس کا گواہ ہوں کہ یہاں خدا کے سوا کوئی صاحب اقتدار نہیں۔ یہاں خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ یہاں حکمرانی صرف خدا کی ہے۔ جو اس حقیقت کا شاہد نہیں اسے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہنے کا حق حاصل نہیں۔ یہی وہ شہادت ہے جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ''خدا اس کی شہادت دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں ہے۔'' وَالْمَلٰٓئِكَةُ ''اور ملائکہ جو اس کے اس اقتدار کو بروئے کار لانے کے لئے مامور ہیں وہ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں''۔ انہیں بھی اس کا حق حاصل ہے کہ وہ بھی اس کی شہادت دیں، کیونکہ وہ اس کے عینی شاہد ہیں۔ اس کے بعد ہے: وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ''ان کے علاوہ وہ لوگ بھی اس کی شہادت دے سکتے ہیں جنہیں اس کا علم بھی حاصل ہے اور پھر وہ ایسا نظام متشکل کئے ہوئے ہیں جس میں خدا کی میزانِ عدل قائم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ذاتی علم اور مشاہدہ کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (17:3) ''خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں اور اس کا اقتدار تنہا قوت پر نہیں، بلکہ قوت کے ساتھ حکمت پر مبنی ہے''۔

آپ نے غور فرمایا کہ۔۔۔ قرآنِ کریم کی رو سے اللہ اکبر کہنے کا حق کسے حاصل ہے؟ رمضان کے روزے جماعتِ مومنین کو اس قابل بنا دینے کے لئے تھے کہ وہ ملک میں خدا کی کبریائی قائم کریں اور پھر ساری دنیا کے سامنے اس کی شہادت دے سکیں۔

یہ ہے عزیزانِ من، میری قرآنی بصیرت کے مطابق صیام کی غرض و غایت اور رمضان کا مقصود و منتہیٰ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرویز صاحب اور اُن کے نظریات کا تعارف

(کچھ وضاحتیں)

کہتا ہوں وہی بات ، سمجھتا ہوں جسے حق نے ابلہء مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں ، بیگانے بھی نا خوش میں زہرِ ہلاہل کو ، کبھی کہہ نہ سکا ، قند

ہمارے بے ترتیب نظریات:

چونکہ ہم مسلمانوں کے تصورات، نظریات، خیالات، عقائد اور اعمال غیر متعین، غیر متوازن اور غیر منظم ہیں، اور قرآن کریم کے تحت، (ایک ترتیب کے ساتھ یکجا) نہیں ہیں، لہٰذا، مسلمان آج اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اچھے بھلے پڑھے لکھے لوگ ایک سانس میں ایک بالکل صحیح نظریہ پیش کر رہے ہوتے ہیں کہ اگلے ہی سانس میں ایک ایسی بات کہہ جاتے ہیں کہ ان کی پہلی بات کی تردید و تکذیب ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے غلط اور غیر منظم نظریات کے باعث مسلمان صدیوں سے حقیقی اسلامی نظام قائم نہیں کر سکے۔۔۔ اسی طرح، چونکہ آج باقی عالمِ انسانیت کے پاس بھی صحیح اور منظم نظریاتِ زندگی موجود نہیں اور اس کے سامنے کسی بھی معاملے میں کوئی یقینی، حتمی اور اعلیٰ ترین معیارِ حق و باطل نہیں اور نہ ہی دنیائے انسانیت کو انسانی عقل سے ماوراء کسی عادلانہ، منصفانہ، منظم، متوازن اور مکمل نظامِ حیات کا یقین کی حد تک علم ہے، لہٰذا، آج دنیائے انسانیت دھکے پر دھکا کھائے چلی جا رہی ہے اور کوئی راہِ نجات نہیں پا رہی۔۔ دنیا کو قرآن کریم کے یقینی، منظم اور اکمل ترین نظامِ زندگی کے بارے میں بتانا ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا پر قرآن کریم کی حقانیت ثابت کر دیں اور دنیا کو قائل کریں کہ خدا کی آخری کتاب ہی انسانیت کے تمام مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکتی ہے۔۔ مگر اور تو اور ہم خود اپنی مذہبی پیشوائیت کی تقلید میں تارکینِ قرآن ہو چکے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم طرزِ کہن پر اڑے ہوئے ہیں۔ ہم دنیا میں کیا تبدیلی لائیں گے، ہم تو اپنے اندر تبدیلی لانے پر تیار نہیں۔ اقبالؒ کے الفاظ میں:

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

پہلے سے قبول کردہ اپنے نظریات و اعمال اور قائم کردہ نظاموں میں قرآن کے مطابق تبدیلی کر لینا ہمت اور جراءت کا کام ہے۔ مسلمان کا کام ہے کہ وہ اپنے تصورات اور نظریات و اعمال کو قرآن کے مطابق بدل دے، نہ کہ قرآن کو اپنے نظریات و اعمال کی تائید میں استعمال کرے۔

اُن کے نظریات:

پرویز صاحب کو اُن کے چاہنے والے ایک فلاسفر، علّامہ، مفکرِ قرآن اور بابا جی جبکہ ان کے مخالفین انہیں ایک لبرل، منکرِ حدیث وسنت اور ایک نئے فرقہ کا بانی، قرآن کی من مانی تشریح وتفسیر کرنے والا، ایک نئے سیاسی نظریہ ''مرکزِ ملّت'' کا بانی، لہٰذا، سیکولر، بے دین، مرتد، کافر، ملحد، دہریہ، کمیونسٹ وغیرہ کہتے ہیں۔۔مگر حقیقت یہ ہے کہ پرویز صاحب کے ہر نظریہ کا محور اور سرچشمہ صرف اور صرف قرآن کریم ہے۔وہ قرآن کریم کو ایک یقینی، مکمل، جامع، کسی بات کو چھپا کر (یعنی مخفی اور باطنی معانی) نہ رکھنے والی بلکہ ہر بات کو کھول کھول کر بیان کر دینے والی واضح اور بین، غیر متبدل، غیر محرف، آخری نبی ﷺ کی اپنی نگرانی میں مدون ومرتب شدہ، آخری محفوظ ترین الہامی کتاب، اور اسلامی مملکت کا آئین مانتے ہیں۔اُن کی کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ قرآن کریم سے متصادم ہر تصور اور نظریہ وعمل کو غلط قرار دیا جائے۔(کسی بھی قدیم یا جدید نظریہ، یا نظریہ کے کسی جزو کا اُن کے کسی نظریہ کے ساتھ مطابقت کر جانا محض اتفاق ہے۔وہ دنیا کے کسی نظریہ کو قرآن کریم پر فوقیت دینے کے قائل نہیں)۔ شور یہ مچایا جاتا ہے کہ کیا پرویز صاحب ہمارے اسلاف واخلاف علماء یا عرب لوگوں سے زیادہ قرآن کو سمجھتے ہیں؟۔مگر فصاحت وبلاغت کے ادراک کا تعلق ذہن ودانش سے ہے نہ کہ علاقے یا زبان وغیرہ سے۔مثلاً ضروری نہیں کہ ہمارے ہاں کا ہر اردو بولنے والا غالب یا میر کے کلام کی گہرائیوں تک پہنچ سکے۔اسی طرح ہر عربی بولنے یا سمجھنے والا قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کو سمجھنے کا اہل نہیں ہوسکتا۔کہاوت مشہور ہے کہ قرآن اترا عربوں پر، پڑھا مصریوں نے، سمجھا ہندوستانیوں نے (پاک وہند میں قرآن کریم کی متعدد، مختلف اور متنوع تفاسیر لکھی گئی ہیں)۔پرویز صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے ذہنِ رسا عطا فرمایا تھا جسے انہوں نے استعمال کر کے ایک خوبصوت شاہکار دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔۔اس تالیف میں پرویز صاحب کے تمام قرآنی نظریات (بسلسلہ وحی، قرآن کریم، دین کی تبدیلی مذہب میں، مذہبی پیشوائیت، حدیث، تاریخ، فقہ، اسلامی مملکت وحکومت) کو ایک ترتیب کے ساتھ یکجا پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یقینی اور قابلِ اعتماد ذریعہءعلم:

حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان کے نزدیک یقینی ذریعہءعلم صرف اور صرف قرآن کریم ہے۔یقینی اور حتمی کا مطلب ہے کہ جس کے خلاف کچھ ثابت نہ کیا جا سکے۔ماضی اور حال کے حوالے سے قرآن کریم نے جو (تاریخی، معاشرتی، اخلاقی، معاشی، سیاسی، عسکری اور سائنسی وغیرہ) حقائق بیان فرمائے ہیں، تجربے اور مشاہدے کے کسی بھی حقیقی معیار پر جانچنے سے وہ ہمیشہ سچ ثابت ہوئے ہیں۔لہٰذا، پورے حتم ویقین سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ مستقبل کے بارے میں بیان کیا گیا ہے وہ بھی سچ ہی ہوگا۔اور اسی پر عمل کرنے ہی سے انسانیت کے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔اور اسی میں انسانیت کی نجات ہے۔قرآن کریم کے علاوہ، باقی تمام ذرائع علوم غیر یقینی، ظن وتخمین اور سُنی سنائی پر مبنی ہیں۔اسی لئے یہ سب سے زیادہ قابلِ اعتماد معیارِ حق وباطل ہے۔اور اسی لئے جناب پرویز کا نظریہ ہے کہ جو کچھ قرآن کریم کے خلاف ہے وہ

غلط اور باطل ہے۔ اور جو کچھ قرآن کریم کے خلاف نہیں، وہ صحیح اور حق ہے۔

اعلیٰ ترین معیارِ حق و باطل:

یہ پرکھنے کے لئے کہ دنیائے انسانیت میں پھیلے ہوئے تصورات، خیالات، نظریات و اعمال اور مختلف نظامہائے سیاست، معیشت اور معاشرت وغیرہ کس حد تک مبنی برحق یا مبنی بر باطل ہیں، انسان کے سامنے ایک اعلیٰ ترین معیارِ حق و باطل (Highest kind of Touchstone) کا ہونا ضروری ہے، بصورت دیگر، ایک حقیقی معیار کی عدم موجودگی میں، انسان اپنے تصورات اور نظریات واعمال کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکے گا اور ہمیشہ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا۔ کوئی شخص ایک تصور، نظریہ یا عمل کو صحیح تسلیم کرے گا تو دوسرا شخص اسے غلط قرار دے دے گا، کیونکہ بالعموم، ہر شخص اپنی بات کو سچ اور صحیح جبکہ بالمقابل شخص کی بات کو غلط اور غیر صحیح سمجھتا ہے۔ اس طرح، (وحی کی راہنمائی کو ترک کرنے کے باعث) انسانی دلائل بازی کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ جاری رہے گا اور یہ فیصلہ کبھی نہیں ہو پائے گا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ اس طرح انسانوں کا کسی بات پر متفق ہو جانا مشکل ہوگا۔ ایسی صورتِ حال انسانوں کے درمیان ہمیشہ اختلافات کا سبب بنتی رہے گی اور اختلافات روئے زمین پر بدامنی کا سبب بنتے رہیں گے۔ وحی کا دعویٰ ہے اور ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ صرف قرآن کریم ہی عالمِ انسانیت کے ہر قسم کے اختلافات کو مٹا دینے کی اہلیت رکھتا ہے (16:64۔42:10)۔ دنیا کے مفکرینِ فلسفہء اخلاق بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اخلاقی معاملات و مسائل کی جانچ پرکھ (فیصلہ) کسی عالمگیر و ہمہ گیر ضابطہ کی بنیاد پر ہونی چاہیئے۔

(اُن کی سوچ کے مطابق: Ethical issues should be judged on the basis of some universal code۔ پرویز صاحب قرآن کریم کو، بر بنائے بصیرت، ہر معاملے میں واحد، خارجی، غیر جانبدار (Objective and Impartial)، ہمہ گیر اور عالمگیر (Universal) اور اعلیٰ ترین معیارِ حق و باطل تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی اس خصوصیت پر اُن کا غیر متزلزل ایمان حیران کن ہے۔ علامہ پرویز کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان محسوس کرتا ہے کہ اِس کائنات اور زمین و آسمان کے درمیان ایک نہایت قابلِ اعتماد اور اعلیٰ ترین کسوٹی، معیار (ترازو) استادہ ہے، جس پر ہر نظریہ و عمل کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کو پرکھا جا سکتا ہے۔ اور وہ کسوٹی، وہ معیار قرآن کریم ہے۔ تمام انسانی تصورات اور نظریات واعمال (دین اور مذہب، سیاست و معیشت، آئین و قانون عملِ قانون سازی، عدل و انصاف، دوسروں کا احتساب اور خود احتسابی، داخلیت (قلب کی گواہی) اور خارجیت، حقوق و فرائض، آزادی، غلامی، آزادیء اظہارِ رائے، معاشرت، ثقافت اور روایات، انفرادی و اجتماعی زندگی، ذاتی و قومی کیریکٹر، اخلاق، ضمیر، خوشی و غمی کے مظاہر، تصوراتِ گناہ و ثواب، مختلف قدیم و جدید علوم و کتبِ علوم وغیرہ سب کچھ) کی صحت کو جانچنے کا معیار قرآن کریم ہے۔ پرویز صاحب تمام (قدیم و جدید، انفرادی و گروہی) تصورات اور نظریات واعمال میں موجود مواد کے صحیح یا غلط، جائز و ناجائز، سچ اور جھوٹ

کے فیصلہ کے لئے حقیقی، یقینی، خارجی، بے لاگ اور اعلیٰ ترین معیار (Criterion) قرآن کریم ہی کو قرار دیتے ہیں۔

میری کاوشیں:

طلوعِ اسلام فروری 1978ء، ص:35: پرویز صاحب کہتے ہیں:۔ ''میری تمام کاوشوں کا منتہیٰ و مقصود اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں اس حقیقت کو عام کروں کہ: (1) قرآن کریم تمام نوعِ انسان کے لئے مکمل اور واحد ضابطۂ حیات ہے اور اسلامی مملکت کا آئین و دستور۔ (2) دنیا میں حق و باطل کا معیار۔ غلط اور صحیح کی میزان۔۔ خیر اور شر کے پرکھنے کی محک۔۔ ہر دعویٰ کی صداقت کی سند، خدا کی کتاب ہے۔ حدیث بھی وہی صحیح ہے جو اس کتاب کے مطابق ہو اور تفسیر بھی وہی قابلِ قبول جو اس کے خلاف نہ جائے۔ (3) خدا کی طرف سے عطا کردہ آخری وحی بہ تمام و کمال اس کے اندر موجود ہے۔ اس سے باہر وحی کہیں موجود نہیں۔ یہ اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ اور اس کے کوئی باطنی معانی نہیں۔ (4) یہ کتابِ عظیم شک و شبہ سے بالا ہے اور انسانی راہنمائی کے لئے کافی اور خود مکتفی۔''

اِکسیرِ اعظم:

قرآن کریم تمام نئے اور پرانے (مقلدانہ و غیر مقلدانہ) تصورات، نظریات اور بوسیدہ نظاموں کو مٹا کر ایسا متوازن نظریہ اور نظام عطا کرتا ہے جو انسانیت کے تمام دکھوں کا مداوا کرتا ہے اور دنیائے انسانیت کو ہر لحاظ سے محفوظ بنا کر فلاح اور ترقی کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ اس اکسیرِ اعظم سے پوری انسانیت کے دکھوں کا یقینی علاج ممکن ہے۔ عالمِ انسانیت کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا حل قرآن کریم پیش نہ کر سکے۔ انسان آج تک اپنے (سیاسی، معاشی، اخلاقی، مذہبی) مسائل کا حل اپنے طور پر تلاش کرتا رہا ہے مگر سخت جدوجہد کے باوجود کسی بھی مسئلے کا تسلی بخش حل دریافت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسے چاہیئے کہ ایک بار وہ اس اکسیرِ اعظم کو بھی آزما کر دیکھ لے جس کا دعویٰ ہے کہ اُس کے پاس تمام مسائل کا تسلی بخش حل موجود ہے جس سے انسان کا وقت اور توانائیاں بچ جائیں گی۔ (Wahi economises human efforts)۔

قرآن کے خلاف سازشیں:

جب تک امتِ مسلمہ کا آئینِ زندگی قرآن کریم رہا اور امت صرف قرآن کریم پر عمل کرتی رہی، یہ امت دنیا کی سپر طاقت بنی رہی۔ امتِ مسلمہ کا دنیا کی برتر طاقت ہونا اسلام کی مخالف قوتوں کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ عسکری، علمی، معاشی اور سیاسی میدانوں میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنا اُن کے لئے ممکن نہیں تھا۔ اُن کے دانشور اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کی کامرانیوں کی وجہ اُن کی کتاب ''قرآن کریم'' ہے۔ لہٰذا، انہوں نے اسلام کے خلاف سازشوں میں، بنیادی طور پر قرآن کریم کے خلاف سازشوں کا جال تیار کیا۔ اگرچہ انہوں نے قرآن کریم میں کچھ تبدیلیوں کی کوششیں بھی کیں مگر قرآن کریم کو مٹا دینا یا اس میں کوئی ذرا سی بھی تبدیلی کر دینا اُن کے بس میں نہ تھا۔ اس پر انہوں نے (اپنا بن کر) مسلمانوں میں ایسے ایسے عقائد پھیلائے جن کی بنیاد پر قرآن کریم کو ایک نامکمل اور مشکوک کتاب تسلیم کرا لیا گیا۔ اور مختلف قسم کے عقائد

پھیلا کر اسے غیر موثر بنانے کی کوشش کی گئی۔ یہ سازشیں (بظاہر مقدس ناموں سے) اپنا کام کر گئیں (مثلاً قرآن کریم کی تدوین، ترتیب، اختلافاتِ قراءت، قرآن کے باطنی اور مخفی معانی، ناسخ و منسوخ اور تضادات، پابندیء شانِ نزول، سنت و احادیث کے وحی ہونے کا تصور، فقہ کی بالادستی، اسلام کے دورِ اول کی تاریخ پر غیر مشروط ایمان سے متعلقہ عقائد وغیرہ)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علمِ وحی (قرآن کریم) کے حقیقی مفہوم و منشاء کو خدا اور رسول کے نام پر وضع کردہ انسانی علوم کے نیچے چھُپا دینے کی کوششیں کی گئیں۔ دنیا کے تمام علوم قرآن کریم کے محتاج ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو دیگر علوم (سنت و احادیث اور فقہ وغیرہ) کا محتاج بنا دیا گیا۔ یوں قرآن کریم عملی طور پر پسِ منظر میں چلا گیا اور دوسرے علوم سامنے آ گئے۔ قرآن کریم صرف ثواب کے لئے پڑھا جانے لگا جبکہ عمل قرآن کے علاوہ دیگر نظریات پر کیا جانے لگا۔ اس طرح مقدس لبادوں میں لپٹی ہوئی سازشوں کے سبب مسلمانوں کی ترقی رک گئی اور بالادستی ختم ہوگئی۔ یوں، امتِ مسلمہ کے روز بروز پیچھے جانے کا عمل صدیوں سے جاری ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مسلمان غیر شعوری طور پر اُن سازشوں کا شکار ہو گئے جو قرآن کے خلاف عمل میں لائی گئیں۔ ان کی حالت اس حقیقت پر شاہد ہے، مگر آج تک وہ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر رہے۔

شیر کو دیکھ کر بھاگ اٹھنے والے گدھے:

آج جونہی اُن کے سامنے قرآنِ کریم کی کوئی آیت پیش کی جائے یا قرآنِ کریم کا صرف نام ہی لے لیا جائے تو وہ فوراً پہلو بدلنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نصیحت (قرآنِ کریم) سے اعراض برتنا (منہ موڑنا) شروع کر دیتے ہیں (اور قرآن کریم کی بجائے عقلِ انسانی کی کوئی نہ کوئی اختراع پیش کر دیتے ہیں)۔ یعنی اس طرح وہ اپنا وہ کردار پیش کرتے ہیں جسے قرآن کریم نے ''شیر کو دیکھ کر بھاگ اٹھنے والے گدھوں'' کے کردار سے تشبیہ دی ہے: فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ (ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ قرآن سے اس طرح منہ موڑے ہوئے ہیں جس طرح بدکنے والے گدھے شیر کو دیکھ کر بھاگ اٹھتے ہیں: 74:49-51)۔ علّامہ پرویز صاحب نے بڑی جراءت سے آج کے مسلمانوں کی اس قرآنی نفسیات اور قرآن کریم کے خلاف سازشوں کو بے نقاب کیا ہے۔

مسلسل تدبر و تحقیق:

قانون سازی کا کام تو اسلامی حکومت پوری امت (پارلیمان وغیرہ) کی مشاورت سے انجام دے گی، لیکن چونکہ تدبر فی القرآن کا حکم ہر شخص (خصوصاً ہر مسلمان) کے لئے ہے، لہٰذا، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی علمی استطاعت و صلاحیت کو کام میں لاتے ہوئے انفرادی طور پر (یا کچھ دیگر اہلِ علم افراد سے مل کر بھی) قرآن کے مختلف (سیاسی، معاشی، معاشرتی، عسکری، سائنسی) نصوص و نکات پر تحقیق و تدبر کا فریضہ انجام دے، اور اپنے نتائجِ تحقیق و تدبر کو پوری امت کے سامنے (بطور تجاویز) پیش کرے، جن سے پوری امت (اور پھر پوری انسانیت) استفادہ کر سکے اور جو (حتمی) قانون سازی میں (بھی) معاون ثابت ہوں۔ اس نسخۂ کیمیاء (قرآن کریم) سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ اس پر ہر زمانے میں

گزشتہ زمانے سے آگے بڑھ کر مزید تدبر و تحقیق کا کام کیا جائے اور یہ کام ہمیشہ اور مسلسل جاری رہنا چاہیئے۔ قرآن کریم پر تدبر و تحقیق کا کام کسی زمانے میں جس مقام تک پہنچ چکا ہو، اس زمانے کے انسانوں کو اپنے زمانے کے تقاضوں اور دیگر مروجہ علوم کی ترقی کو مدِ نظر رکھ کر، قرآن کریم پر تدبر و تحقیق میں اُس مقام سے آگے بڑھنا چاہیئے۔ جس مقام پر سابقہ تحقیقات و تشریحات پہنچیں، وہاں سے آگے چلنا ضروری ہے۔ اس معاملے میں سابقہ تحقیقات و تشریحات سے فائدہ تو اٹھایا جاسکتا ہے مگر انہیں حرفِ آخر کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، حرفِ آخر تو آخری انسان کے لئے چھوڑنا ہوگا۔ مسلمانوں کی پسماندگی کی وجہ یہی ہے کہ وہ قرآن کریم پر سابقہ تدبر و تحقیقات کو حرفِ آخر سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ قرآن ہر دور کا دین ہے۔ ہر دور میں انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے۔ اور انسانیت کے (ہر دور میں بدلتے ہوئے) ہر قسم کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور ایسا کچھ قرآن پر مسلسل تحقیق و تدبر کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن ہمیں جمود کا شکار نہیں ہونے دیتا۔ قرآنی نظریات میں جمود اور رجعت پسندی نہیں بلکہ انقلابی حرکت کا تصور اور آگے بڑھنے کی قوت (FORCE) موجود ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں یہ کتابِ زندہ ہے جو مسلمانوں کو دنیا کی سپر پاور بنانے کے لئے انہیں آگے بڑھاتی ہے نہ کہ کسی مقام پر روک دیتی یا پیچھے دھکیل دیتی ہے۔ اگر مسلمان اس طریقِ کار اور طرزِ عمل پر کاربند رہتے کہ ان کے اسلاف زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے قرآن کریم کی روشنی میں جس مقام تک پہنچ چکے تھے، انہیں اس سے آگے چلنا ہے، اور وہ وہاں رک نہ جاتے یا پیچھے نہ دیکھتے تو مسلمان ہمیشہ سائنسی، علمی، معاشی و سیاسی اور عسکری طور پر دنیا کی امامت کرتے رہتے اور وہ دنیا کی مستقل سپر پاور ہوتے۔ مگر ہمارے اپنے جامد غیر قرآنی نظریات و اعمال نے ہمیں پسماندگی میں دھکیل دیا ہے جس سے نکلنے کا واحد حل قرآن کریم پر اس انداز سے فکر و تدبر، تحقیق اور عمل کرنے میں مضمر ہے (مؤلف)۔

تصریفِ آیات:

''عام انسانی تصانیف کا انداز یہ ہوتا ہے کہ ایک کتاب بالعموم ایک موضوع پر مشتمل ہوتی ہے اور مختلف ابواب میں منقسم۔ ان میں سے ہر باب، کتاب کے موضوع کے کسی ایک نکتہ کو واضح کرتا ہے۔ اور خود مکتفی ہوتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا باب، تیسرا، حتیٰ کہ جب ہم آخری باب پر پہنچتے ہیں تو کتاب کا پورا موضوع مربوط شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ قرآن کریم کا انداز اس سے مختلف ہے۔ وہ کسی ایک موضوع پر مشتمل کتاب نہیں بلکہ زندگی کے اہم ترین مسائل اور کائنات کے عمیق ترین حقائق کا مجموعہ ہے۔۔ ظاہر ہے کہ جب ایک مختصر سی کتاب کو ایسے کثیر اور متنوع مسائل و حقائق کا مہیمن بننا ہو، تو اس میں ان امور پر تفصیلی گفتگو کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ، جہاں تک انسانی زندگی کے لئے راہنمائی کا تعلق ہے، اس میں، اسے تو بڑی تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، لیکن حقائقِ کائنات اور غوامضِ حیات کے متعلق اشارات سے کام لیا گیا ہے۔ اور ان کی تفصیلات تک پہنچنا، انسانی علم و بصیرت اور فکر و تدبر پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ نیز، اس میں ایک مسئلہ سے متعلق، ایک ہی مقام پر پوری بحث نہیں کی جاتی۔ اس کا انداز یہ ہے کہ ایک بات بنیادی طور پر ایک جگہ مذکور ہے۔ اس کی مزید وضاحت کسی

دوسری جگہ کی گئی ہے، اضافہ کہیں اور آیا ہے، استثناء کا ذکر کسی اور مقام پر ہے۔ اس اندازِ بیان کو قرآن ''تصریفِ آیات'' کہہ کر پکارتا ہے۔ یعنی آیات کو پھیر پھیر کر سامنے لانے سے، ایک بات کی وضاحت کرنا۔ ایک ایسی کتاب کے لئے، جسے تمام نوعِ انسان کے لئے، ہمیشہ کے لئے مکمل اور غیر متبدل ضابطہء حیات قرار پانا تھا، یہی اندازِ بیان کس طرح نہایت مناسب اور بہترین تھا۔ قرآن فہمی کا طریقہ یہ ہے کہ جو مسئلہ آپ کے زیرِ نظر ہو، اس کے متعلق قرآن کریم نے جہاں جہاں، اور جو کچھ کہا ہے، وہ سب، بیک وقت آپ کے سامنے ہونا چاہیئے۔ اس طرح آپ اس مسئلہ کو قرآنی روشنی میں صحیح طور پر سمجھ سکیں گے۔ آیات کو الگ الگ پڑھنے سے قرآن کا مقصود و مطلوب کما حقہٗ سمجھ میں نہیں آسکے گا۔'' (کتاب التقدیر۔ پیش لفظ)۔

تصریفِ آیات (طریقِ تفسیرِ قرآنِ کریم):۔ یہاں یہ بات پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ چونکہ دیگر حضرات قرآن کریم کی تشریح و تفسیر اپنے اپنے (یا قدماء کے) وضع کردہ طریقوں کے مطابق کرتے ہیں لہٰذا، جب لوگوں سے کہا جائے کہ قرآن کریم کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرو تو کہا جاتا ہے کہ ''ہر مفسر نے دوسرے مفسر سے مختلف بلکہ متضاد تفسیر پیش کی ہے تو پھر کس کی تفسیر کو صحیح مانا جائے؟'' اس اعتراض کا جواب بھی یہی ہے کہ اُس تفسیر کو صحیح مانا جائے جو قرآنِ کریم کے اپنے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔ پرویز صاحب قرآن کریم کا مفہوم قرآن کریم کے اپنے ہی بتائے ہوئے کلیہ ''تصریفِ آیات'' (6:106، 17:41، 17:89، 18:54، 20:113، 25:50) کے تحت اخذ کرتے اور (آیت نمبر 4:82 کے تناظر میں) مختلف آیات کے باہمی طور پر غیر متضاد مفہوم ہی کو قابلِ اعتماد مانتے ہیں لہٰذا، ان کا مفہومِ قرآن دیگر حضرات کی تفاسیر سے قدرے مختلف نظر آتا ہے، اور قرآن کریم کے اسی خارجی (objective) اور غیر جانبدار مفہوم کو وہ (احادیث سمیت) ہر قسم کے تمام نظریات و اعمال کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کا معیار اور کسوٹی (Touchstone) مانتے ہیں۔ (یاد رکھنا چاہیئے کہ مفہومِ قرآن کے تعین کے معاملے میں پرویز صاحب کا پیش کردہ مفہومِ قرآن حرفِ آخر نہیں۔ دنیا کا کوئی بھی شخص، کسی بھی زمانے میں، اپنے دور کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ''تصریفِ آیات'' کے قرآنی فارمولے کے تحت، خود ہی تدبر و تحقیق کر کے، قرآن کریم کا مفہوم متعین کر سکتا ہے۔ اس معاملے میں پرویز صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر قابلِ غور ہے)۔

فکرِ قرآنی کے لئے پرویز سند نہیں:

طلوعِ اسلام اپریل 1960ء: ''میں اپنی بصیرت کے مطابق قرآنی فکر پیش کرتا ہوں۔ آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ از خود قرآن کریم پر غور و فکر کے بعد فیصلہ کریں کہ میری فکر صحیح ہے یا نہیں۔ اسے اچھی طرح سن رکھئے کہ جس دن آپ نے دین کے معاملہ میں قرآن کریم کی بجائے کسی انسان کو سند مان لیا، آپ نے فرقہ بندی کی بنیاد رکھ دی۔ اور یہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ فرقہ پرستی قرآن کی رو سے شرک ہے۔'' اپنی تصنیف ''شاہکارِ رسالت'' میں ''گزرگاہِ خیال'' کے تحت کہتے ہیں:۔ ''(میں اپنی ہر تصنیف میں اس کا اعتراف اور اعلان کیا کرتا ہوں کہ) میں نہ اپنی بصیرت کو سہو و خطا سے منزہ سمجھتا ہوں، نہ اپنے فہمِ قرآن کو حرفِ آخر۔ میں قرآن مجید کا ایک ادنیٰ طالب العلم ہوں۔ اس سے زیادہ، نہ میرا کوئی دعویٰ ہے، نہ مقام۔

اشفاق احمد، جاپان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حیوان اور انسان

قرآنِ کریم کے مطابق زندگی کی ابتداء نفسِ واحدہ (LIFE CELL) سے ہوئی اور پھر یہ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اس موجودہ سطح پر پہنچی ہے۔ زندگی مسلسل آگے بڑھتی ہے اور بلندی کی طرف جاتی ہے۔

لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ (84:9) ہم طبقہ بہ طبقہ اسے آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔

ارتقاء کے سلسلے میں دیکھا گیا ہے کہ جب زندگی مختلف مراحل طے کرتے ہوئے ایک سٹیج سے اوپر والی سٹیج میں داخل ہوتی ہے تو پچھلی سٹیج یا کڑی کی بہت سی خصوصیات کو اپنے ساتھ لاتی ہے۔ حیوان اور انسان کی زندگی کا تقابل کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حیوان کی زندگی کے بنیادی تقاضے بھی وہی ہیں جو انسان کی زندگی کے بنیادی تقاضے ہیں مثلاً زندہ رہنے کے لیے کھانا پینا، اپنی جان کی حفاظت کرنا اور اپنی نسل کو آگے بڑھانا وغیرہ۔ یہاں تک تو حیوان اور انسان میں کوئی خاص فرق نہیں۔

ماہرین جانتے ہیں کہ ارتقاء کے سلسلہ میں بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ زندگی مروجہ طریق سے آہستہ آہستہ بتدریج آگے نہیں بڑھتی بلکہ ایک جست لگا کر اس سے آگے والی بلند سٹیج میں داخل ہوجاتی ہے۔ اس طرح کے ارتقاء کو Emergent Evolution کہتے ہیں۔ قرآن کے مطابق حیوانی سطح پر پہنچ کر زندگی نے ایک کروٹ لی اور حیوانی سطح سے بلند ہوکر انسانی زندگی میں داخل ہوگئی۔ زندگی کی ان مختلف کڑیوں کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے کہ وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ ۚ﴿۷﴾ (32:7) تخلیقِ انسانی کی ابتدا بے جان مادّے یعنی مٹی سے ہوئی۔ یہ جمادات کی زندگی ہوئی۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَہٗ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّہِیۡنٍ ۚ﴿۸﴾ (32:8) پھر اس کی نسل کو بذریعہ تولید یعنی حقیر پانی کے جوہر سے آگے چلایا۔ یہ حیوانات کا درجہ آ گیا۔ ثُمَّ سَوّٰىہُ (32:9) پھر اس میں خاص توازن پیدا کیا۔ یعنی اس کے عناصر ترکیبی میں مطابقت، مناسبت اور ہم آہنگی حدِ کمال تک پیدا کر کے اسے موزوں طریقے سے مکمل کیا۔ یہ حیوانات سے اگلی ارتقائی منزل آئی جہاں اس نے انسان بننا تھا۔ اس کے بعد کہا:

وَنَفَخَ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِہٖ (32:9) اور ہم نے اس میں اپنی روح یا توانائی کا شمہ ڈال دیا۔ یہاں تک ساری بات غائب کے صیغہ (Third Person) میں ہوئی۔ اس روح یا توانائی کا نتیجہ تھا کہ اب یہ انسان تخاطب کے قابل ہوگیا۔

وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَۃَ ۙ (32:9)

اس کے بعد تمہیں سماعت، بصارت اور قلب (Mind) عطا کر دیا۔

اِسی روحِ خداوندی یا الوہیاتی توانائی (Divine Energy) کا نتیجہ تھا کہ انسان پہلے جیسا نہیں رہا بلکہ یہ ایک خلقِ جدید بن گیا اور اسے زندگی کے معاملات پر غور وفکر کرنے کے لیے دماغ (Mind) جیسی چیز عطا کر دی گئی۔ ان تمام مدارج میں ''نفخ روح'' وہ مقام ہے جہاں سے انسانیت کی ابتداء ہوئی۔ یہی وہ روحِ خداوندی ہے جسے انا، خودی، Personality یا ذات کہتے ہیں۔ اسے انسان کی انسانی زندگی کہہ لیجئے۔ انسان کی زندگی کا یہ حصہ ایسا ممتاز ہوا کہ اس نے انسان کو بلندیوں پر پہنچا دیا۔ یہ حصہ ہے اقدار کے متعلق۔

قدر کیا ہے؟ اس کی مثال یوں ہے کہ جب ایک حیوان کو بھوک لگتی ہے تو وہ اپنی بھوک مٹانے کے لیے مالک کے کھیت یا غیر مالک کے کھیت کی تمیز نہیں کر سکتا۔ اسے بس اپنی بھوک مٹانے کا سامان کرنا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک انسان کو اپنی بھوک مٹانے کے لیے اپنے کھیت یا بیگانے کھیت کی تمیز کرنا پڑتی ہے۔ یہ تمیز کہ اپنے کھیت سے کھایا جائے، بیگانے کھیت سے نہ کھایا جائے ایک قدر (Value) ہے۔ درمیان میں اگر یہ قدر نہیں ہے تو حیوان اور انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح عہد و پیماں کی پاسداری، عصمت کی حفاظت اور دوسروں سے تعاون وغیرہ سب اقدار ہیں۔ ان اقدار کا تعلق حیوانی سطحِ زندگی سے نہیں بلکہ ان کا تعلق انسان کی انسانی زندگی یا ذات سے ہے۔ ذات چونکہ ایک مستقل اور نا قابلِ تغیر شے ہے اس لئے ذات کی نشوونما کا سامان یعنی یہ اقدار بھی غیر متبدل ہیں۔ اسی بنا پر ان اقدار کو مستقل اقدار کہتے ہیں۔

حیوان اپنی زندگی گزارنے کے لئے اپنی جبلت Instinct پر عمل کرتے ہیں اور جبلت کے برعکس کچھ کرنے کی صلاحیت ان کے پاس نہیں ہوتی اس لئے وہ اس میں کسی قسم کی غلطی نہیں کرتے۔ انسان کو اختیار وارادہ دیا گیا ہے (ذات کی بنیادی خصوصیت اختیار وارادہ ہے) اس لئے یہ حیوان کی طرح جبلت کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور نہیں ہے۔ اس کے سامنے دو ممکنات ہیں۔ قرآن نے جنہیں وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (90:10) کہا ہے یعنی اس کی دونوں راستوں کی طرف راہنمائی کر دی گئی۔ یہ اختیار اور ارادہ دینے کے بعد کہہ دیا کہ:

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ (41:40) جس طرح جی چاہے عمل کرو۔ ان اقدار کی پابندی کرو یا خلاف ورزی۔

اختیار وارادہ وہ خصوصیت ہے جو اس کائنات میں خدا کے بعد صرف انسان کو حاصل ہے۔ اسی وجہ سے انسان اپنے اعمال کا جوابدہ بھی ٹھہرتا ہے۔ بخلاف اس کے حیوان کو مواخذہ نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس انتخاب (Choice) کی صلاحیت نہیں ہے۔ وہ اپنی جبلت کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہے لیکن انسان ان اقدار پر عمل اپنی مرضی سے کرتا ہے اس سے مجبوراً عمل نہیں کروایا جا سکتا۔ جب وہ ان اقدار پر عمل کرتا ہے تو زمین پر موجود دوسری مخلوق سے افضل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے اختیار اور ارادے کو ان اقدار کی خلاف ورزی کے لئے استعمال کرتا ہے تو نہایت پستی میں جا گرتا ہے جسے قرآن جسے اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ (95:5) کہتا ہے۔ یہ جو آج ایک انسان دوسرے کے ہاتھوں تنگ ہے یہ اسی چیز کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔ اس کے برعکس جب انسان ان اقدار کی پابندی کرتا ہے تو اس کی زندگی نہایت حسین ہو جاتی ہے۔ دنیا جنت بن جاتی

ہے۔ یہ نئی نئی ایجادات اور تسخیرِ کائنات وغیرہ سب اسی اختیار اور ارادے کا نتیجہ ہے۔ فطرت کی قوتوں کو مسخر کرنے والا ہی سطحِ آدمیت پر پہنچتا ہے۔ قرآن نے اسے ملائکہ کا آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونا بتایا ہے۔ اس کے بعد ان قوتوں کا استعمال اقدار کے تابع کرنا انسان کی انسانی زندگی کا خاصہ ہے۔ حیوان یہ سب کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کی زندگی کھانے پینے، تولید اور اپنی حفاظت کرنے سے آگے جا ہی نہیں سکتی۔ اسی حیوانی سطح پر اگر کوئی آدمی بھی اپنی زندگی بسر کرتا ہے تو قرآن کہتا ہے کہ یہ کفر کی زندگی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (47:12)

کفر یہ ہے کہ زندگی کھانے پینے اور سامانِ حیات سے تمتع کے لیے ہو جس طرح کہ جانور کی زندگی (اقدار کے بغیر) ہوتی ہے۔

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کریں شکریہ
Cell: 0321-4460787 Phone: 042-35714546

دروس القرآن کی نئی جلدیں شائع ہوگئیں

1۔ سورۂ آلِ عمران (جلد اوّل)، صفحات: 500 تقریباً، قیمت: 500
2۔ سورۂ آلِ عمران (جلد دوم)، صفحات: 500 تقریباً، قیمت: 500
3۔ سورۃ الانعام، صفحات: 600 تقریباً، قیمت: 600
4۔ سورۂ انفال، صفحات: 210 تقریباً، قیمت: 250
5۔ سورۂ توبہ، صفحات: 530 تقریباً، قیمت: 550
6۔ سورۂ ھود، صفحات: 400 تقریباً، قیمت: 400
7۔ سورۂ یوسف، صفحات: 300 تقریباً، قیمت: 300
8۔ سورۂ الرعد، ابراہیم، الحجر، صفحات: 500 تقریباً، قیمت: 500

ملنے کا پتہ:

ادارہ طلوع اسلام 25 بی گلبرگ 2 لاہور
Phone: 042-35714546, Cell: 0321-4460787

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحی تقریب

(بزم طلوعِ اسلام ڈی ایچ اے کراچی)

30 اپریل 2017ء کو بوقت 10 بجے صبح، بزم طلوع اسلام (ڈی ایچ اے) کراچی نے اپنے نئے آفس میں افتتاحی تقریب کا اہتمام کیا۔ جس میں وابستگانِ تحریکِ طلوع اسلام کراچی کی بڑی تعداد نے شرکت فرمائی۔

تلاوتِ کلام پاک پیش کرنے کی سعادت جناب آصف خان آفریدی نے حاصل کی۔

تقریب کے مہمانِ خصوصی سینئر ترین ساتھی جناب خواجہ ازہر عباس صاحب تھے۔ اس کے بعد نمائندہ بزم جناب محمد اقبال صاحب نے ایک تعزیتی قرارداد جناب محترم ایاز حسین انصاری صاحب کی رحلت سے متعلق پیش کی۔ مرحوم انصاری صاحب سابق نمائندہ بزم کراچی اور حیدر آباد رہے بعد ازاں انہوں نے طویل عرصہ تک بطور چیئرمین ادارہ طلوع اسلام لاہور خدمات انجام دیں۔ ان کی رحلت جنوری 2017 میں طویل علالت کے بعد ہوئی۔ ان کی خدمات تادیر یاد رکھی جائیں گی۔ نمائندہ بزم نے بتایا کہ ان کی شخصیت کا کماحقہٗ احاطہ کے لئے ایک خصوصی نشست کی ضرورت ہے۔ بعد ازاں ان کے لئے دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ (آمین)

جناب محمد اقبال صاحب نے سلائڈز کے ذریعے بزم کے سابقہ آفس میں پیش آنے والی مشکلات کا تفصیلاً ذکر کیا۔ جس سے بزم کئی سالوں سے دوچار تھی۔ ان میں چند نمایاں وجوہات یہ تھیں، مثلاً اتوار کو بلڈنگ بند ہونے کی وجہ سے درس کا نہ ہونا، لفٹ کا مستقل خراب رہنے کی وجہ سے بزرگوں اور خواتین کی رسائی میں مشکلات، بلکہ حاضرین بھی بہ دِقت ہی پہنچ پاتے۔ پانی اور صفائی کا فقدان، آئے دن جلسوں کی وجہ سے ڈسٹربینس، بجلی کی چوری ایک معمول بن گئی تھی۔ اِن اور دیگر کئی وجوہات کی وجہ سے حاضری نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ رش اور ہجوم کی وجہ سے پارکنگ اور ڈرائیونگ میں دشواری، غرض یہ فہرست بہت طویل ہے جسے اب بھول جانا ہی بہتر ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی مہربانی سے ہم ایک اچھی جگہ منتقل ہو چکے ہیں۔

یقیناً نئی جگہ کا حصول نہایت دشوار اور بہت بڑا چیلنج تھا۔ اور اس تبدیلی کے لئے غلطی سے مبرا حکمت عملی کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ پراپرٹی بزنس ایک مافیا کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اور اس امر میں پرانی جگہ کی مشکلات کو بھی مدنظر رکھنا تھا۔ اور نئی جگہ کے حصول کے بعد ہم پہلے جیسے حالات سے دوچار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ڈی ایچ اے میں پراپرٹی کی قیمتیں بہت زیادہ

اور ہماری دسترس سے باہر تھیں۔ خیر اللہ کی مہربانی شامل حال ہو تو بہت سی دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں، اسی کے سبب ہمیں ایک مناسب جگہ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔

اس جگہ کی قیمت اور افادیت ہماری آرزو سے مطابقت رکھتی تھی۔ قیمت کی وصولی اور ادائیگی کا معاہدہ اس انداز سے کرنا پڑا کہ ہر دو فریقین کو قابل قبول ہو۔ اس میں مشکل یہ تھی کہ دونوں جگہیں کاروباری حیثیت ہونے کی وجہ سے، اس طرح کے مواقع مشکل سے میسر ہوتے ہیں۔ مگر اللہ کے فضل و کرم سے یہ بھی آسانی سے طے ہو گیا۔

ڈی ایچ اے میں پراپرٹی کے قوانین پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ ادارے کے نام سے پراپرٹی لینے میں جو دشواریاں آئیں اس سے چیئرمین ادارہ بخوبی واقف ہیں۔ ہم جناب محمد اکرم راٹھور صاحب کے بے حد مشکور ہیں کہ انہوں نے جب جب اور جن جن کاغذات کی ضرورت پڑی بلا تاخیر مہیا کئے اور الحمدللہ سب کام بہترین طریقے سے سرانجام پا گئے۔

ہم ایک خوبصورت سیٹ اپ چھوڑ کر آئے تھے اور نئی جگہ سب کچھ از سر نو کرنا تھا۔ آفس کی نئی لوکیشن اور اسے عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ بنانے کے لئے ایک انٹیریئر ڈیزائینر فرم کی خدمات حاصل کی گئیں تا کہ جگہ کا استعمال احسن طریقے سے کیا جائے، ظاہر ہے ان تمام لوازمات کے لئے مزید فنڈز درکار تھے۔

ہم نے پرانے آفس کی خریداری یعنی سن 2000ء کے بعد کبھی اس قسم کا چندہ نہیں مانگا، جو بھی پروجیکٹ ہم نے مکمل کئے اس کے لئے دو یا تین لوگوں نے از خود رقم مہیا کر دی۔

موجودہ لین دین میں جو تھوڑی سی رقم بچی تھی، اس سے اس آفس کا کام شروع کر دیا گیا اور جن چیزوں کی مزید ضرورت تھی ان کا تخمینہ حاصل کر کے صاحب استطاعت احباب کی خدمت میں پیش کیا گیا، جسے انہوں نے اپنی حیثیت کے مطابق ادا کرنے کا نہ صرف عندیہ دیا، بلکہ جب ضرورت پڑی مہیا کر دیا۔ اس طرح الحمدللہ! اب یہ آفس درس کے قابل ہو گیا ہے۔ کچھ مزید سہولیات اور سامان کی ضرورت ہے انشااللہ آہستہ آہستہ پوری ہو جائیں گی۔

بزم آفس اس انداز سے تیار کیا گیا ہے کہ اسے کئی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔ مثلاً یہ کلی طور پر ائر کنڈیشنڈ اور کارپیٹیڈ ہے اور اس میں ہم نے 65 انچ کا اسمارٹ ٹی وی لگا دیا ہے جسے وائی فائی سے کنیکٹ کیا جا سکتا ہے، کوئی بھی سائٹ ڈائرکٹ دیکھی جا سکتی ہے اس میں پریزنٹیشن کی تمام تر سہولتیں موجود ہیں بلکہ کئی درس بھی اس کی میموری میں انسٹال کر دیئے گئے ہیں۔ کرسیوں کو الیٹروسٹیٹک پینٹنگ کے بعد انہیں ٹیبلٹ سے بھی آراستہ کر دیا گیا ہے تا کہ نوٹس لینے میں دشواری نہ ہو۔ کلاس روم، ٹریننگ سینٹر، سیمینار اور میٹنگس کے لئے تمام سہولتیں موجود ہیں، جس کا مقابلہ کسی بھی ایڈوانس سیٹ اپ سے کیا جا سکتا ہے۔ آگے جا کر ہم اسے انہیں مقاصد کے لئے اجرتاً بھی مہیا کر سکیں گے۔ آفس میں نئی کتابوں کے اسٹاک کے لئے کافی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اور تقریباً 2000 لائبریری بکس کی الماریاں بھی جلد تیار کرائی جائیں گی۔

اس تبدیلی کے عمل میں بزم کراچی میں 3 سے 4 ماہ درس کا ناغہ رہا، مگر قرآن کریم کی آواز کو بزم طلوع اسلام کراچی

نے فیس بک کے ذریعے سے دور دراز اور بیرن ملک پہنچانے کا کام مسلسل جاری رکھا، اور ساتھ ہی ساتھ ہماری ویب سائٹ مفہوم القرآن پر بھی نئے یوزرس کی آمد کا سلسلہ مسلسل بڑھتا رہا، اسی ویب سائٹ سے سافٹ ویئر ڈاؤن لوڈنگ میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ اس دوران جو پیش رفت جاری رہی اسے محترم جناب فہد نظیر، راوت خان صاحب پیش کریں گے۔ نمائندہ بزم کی ان معروضات کے بعد راوت خان صاحب نے فرمایا:

بزم کراچی آن لائین:

قرآن کی آواز کو بزم کی چار دیواری سے باہر لے جانے کے لئے کوشش کی گئی ہے۔ ہم نے دروس کو اس قابل کیا کہ وہ آج کے دور میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والی ڈیوائس یعنی موبائیل فون میں سنی اور دیکھی جا سکے۔ دروس کو کمپریس کر کے اسے 8، 16 اور 32 جی بی میں کاپی کر دیا گیا۔ جسکی وجہ سے اب یہ پاکستان کے ہر کونے تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ یقیناً بہت محنت اور وقت طلب کام تھا، اس کی کامیاب ترسیل نے ہماری کوششوں کو مزید حوصلہ دیا۔

اس کے لئے ہم نے جو لائحہ عمل ترتیب دیا، وہ دو مراحل پر مشتمل تھا۔ پہلا یہ تھا کہ اندون ملک کے لئے بذریعہ میموری کارڈ آڈیو اور ویڈیو دروس کی رسائی کو آسان اور سستی ترین سطح پر لا کر، ہر خاص و عام کی دسترس تک ممکن بنایا جائے، جو کہ بزم کراچی نے 2014ء میں نہایت کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

دوسرا یہ تھا کہ بیرون ملک قرآن کی آواز اور فکرِ پرویز کو پہنچانے کو یقینی بنایا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہم نے دنیا بھر میں کئی واٹس ایپ گروپ بنائے جن پر روزانہ کی بنیاد پر آڈیو اور ویڈیو دروس مہیا کئے جاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی سوشل میڈیا کے سرتاج فیس بک سے بھی بھرپور استفادہ کیا جا رہا ہے۔ محترم راوت خان صاحب نے شماریات کے ذریعے بزم کے فیس بک کی دنیا بھر میں رسائی اور پسند کئے جانے سے متعلق معلومات پیش کیں۔ اور یہ بھی دکھایا کہ صرف ڈھائی سال کے قلیل عرصہ میں بزم کراچی فیس بک پیج نے 12775 وزیٹرز کے لائیکس حاصل کئے، جس سے آپ اس پیج کی مقبولیت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ یہ سن کر آپ کو خوشی ہوگی کہ دنیا بھر میں فکرِ پرویز کا یہ واحد پیج ہے جس نے اتنی مقبولیت حاصل کی ہے۔ محترم راوت خان صاحب نے فرمایا کہ اب محترم جناب شہاب آفتاب صاحب آپ کو بزم کی موجودہ اور آئندہ آنے والی سرگرمیوں سے متعلق خاکہ پیش کریں گے۔

جناب شہاب آفتاب صاحب نے حالیہ سرگرمیوں، یعنی مفہوم القرآن ویب سائٹ کی تعمیر و ترتیب کے مراحل اور 4 سالہ مسلسل جدوجہد کے متعلق آگاہی دی۔ انہوں نے اسی ویب سائٹ کی مرکزی ٹیم (جناب شہاب آفتاب، جناب محمد اقبال صاحب اور جناب فہد نظیر راوت خان صاحب) کی خدمات اور کاوشوں پر روشنی ڈالی۔

ویب سائٹ کا تعارف:

انہوں نے اس سائٹ کی مرکزی ترتیب کے عمل کو تفصیلاً سمجھایا، پرویز صاحب کی شہرۂ آفاق تصانیف، مفہوم القرآن،

لغات القرآن، تبویب القرآن اور ایکسپوزیشن آف قرآن کے آپس میں باہمی تعلق کو نمایاں کرنا اور رسائی کو جدید تقاضوں کے مطابق یعنی ڈیجیٹل فارمیٹ اور کمیونی کیشن سے استوار کیا۔

آیت سے مادہ تک کا لنک:

مثلاً کسی بھی قرآنی آیت کی تلاش کے نمودار ہونے کے ساتھ مفہوم القرآن اور ایکسپوزیشن آف قرآن بیک وقت دیکھے اور پڑھے جا سکتے ہیں۔ ہر قرآنی آیت پرویز صاحب کے متعلقہ آڈیو درس کے ساتھ ہائپر لنک ہے، اور اسی طرح ہر قرآنی آیت کا ایک ایک لفظ لغات القرآن کے متعلقہ مادہ کے ساتھ ہائپر لنک ہے۔ اس مادہ کی تفصیل اردو اور انگریزی میں دیکھی جا سکتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ مادہ جتنی بھی آیات میں آیا ہے، اُس کی نہ صرف تعداد بلکہ تمام آیات بھی نمایاں ہو جائیں گی۔

مادہ سے آیت تک کا لنک:

اس کے برعکس اگر کسی مادہ سے متعلق معلومات حاصل کرنی ہوں (جو کہ اردو اور انگریزی دونوں میں دستیاب ہے) اور یہ کہ وہ مخصوص مادہ حروف تہجی کے تحت ،کن ،کن آیات/ آیت میں آیا ہے وہ نمایاں ہو جائیں گی اور آیت/ آیات کے نمودار ہونے کے ساتھ مفہوم القرآن اور ایکسپوزیشن آف قرآن بیک وقت دیکھے اور پڑھے جا سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ انہی آیت/ آیات سے متعلقہ پرویز صاحب کا آڈیو درس بھی سنا جا سکے گا۔

تبویب القرآن کا لِنک:

تبویب میں تمام موضوعات/عنوانات حروفِ تہجی (ا۔ب۔ت) کے لحاظ سے ترتیب دیئے گئے ہیں، جن میں مختلف عنوانات اور ذیلی عنوانات شامل ہیں۔ پرویز صاحب نے ان عنوانات اور ذیلی عنوانات سے متعلقہ قرآنی آیات کو یکجا کیا۔ مثلاً مرکزی عنوان صلوٰۃ اور اس کے ذیلی عنوانات یعنی اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ، مومنین کی خصوصیات اور فرائض، صلوٰۃ بمعنی نماز اور متفرق، سے متعلقہ آیات کو اکٹھا کیا۔ اس ویب سائٹ میں حروف تہجی کے تحت آپ مرکزی عنوان صلوٰۃ اور اس کے ذیلی عنوانات تلاش کر سکتے ہیں۔ جس کے ساتھ متعلقہ آیات عنوان کے شمار کے تحت نمایاں ہو جائیں گی۔ ان آیات کے نمودار ہونے کے ساتھ مفہوم القرآن اور ایکسپوزیشن آف قرآن بیک وقت دیکھے اور پڑھے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ متعلقہ آڈیو درس اور متعلقہ مادہ کے ساتھ ہائپر لنک ہے۔

چند مشہور قرآنی تراجم کا تقابلی موازنہ:

ہم نے فکرِ پرویز کے متعلق غلط تصوّر اور رائے کو زائل کرنے کے لیے تراجم کا ایک تقابلی موازنہ بھی شامل کیا ہے، تاکہ لوگ از خود غور و خوض کر سکیں۔ ابتداً ہم نے محترم پرویز صاحب کے مفہوم القرآن، ایکسپوزیشن آف قرآن کے ساتھ، محترم جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، جناب طاہر القادری صاحب، اور مولانا محمد جونا گڑھی کے اردو تراجم شامل کئے۔ اور اسی

طرح انگریزی تراجم میں ڈاکٹر شبیر صاحب، صحیح انٹرنیشنل اور عبداللہ یوسف علی کو شامل کیا گیا ہے۔

سافٹ ویئر ورژن: جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ ساری خصوصیات، علاوہ موازنہ سیکشن کے، کمپیوٹر سافٹ ویئر ہماری اسی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کئے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ونڈوز 10 کا سوفٹ ویئر بمعہ موبائیل ورژن شامل کیا گیا ہے۔

بزم طلوع اسلام کے معمولات کے علاوہ جدید تقاضوں سے ہم آہنگی کے پروگرام:

پرویز صاحب کی قرآنی تحقیق نے ہماری شخصیت میں جو تغیّر پیدا کیا، اس تبدیلی کے ادراک نے ہمیں "ٹاپ TOP" (ٹیلنٹ اپٹیمائیزیشن آف پیپل) لوگوں کے مخفی ٹیلنٹ کی اصلاح جیسے پروگرام تشکیل دینے پر قائل کیا، جدید تحقیق کی روشنی میں ہم اپنے سینٹر سے درج ذیل موضوعات پر راہنمائی فراہم کریں گے۔ مثلاً: ہم اپنے علاوہ آج کے تقاضوں کے مطابق دوسروں کی نشونما میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں اور کیا کر سکتے ہیں؟ پرویز صاحب کا اولین مخاطب نوجوان طبقہ تھا اور اس کے مسائل کیا ہیں؟

جدید علمی تحقیق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور قرآن کی روشنی میں ان کا کیا حل ہے؟

آج کے نوجوانوں کے مخفی ٹیلنٹ کو کیسے اجاگر کیا جا سکتا ہے؟

کیا ہمارے تعلیمی ادارے اس سلسلے میں کوئی راہنمائی کرتے ہیں؟

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود روزگار کے حصول کے لئے کیوں سرگرداں ہیں؟

انہیں سرمایادارانہ نظام کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

موجودہ استحصالی نظام اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے۔

ہم نے اوپر دیئے گئے اور ان جیسے کئی مسائل کی نہ صرف نشان دہی کر لی ہے بلکہ جدید تحقیق کے مطابق کورسز ترتیب دیئے ہیں۔ مثلاً خود آگاہی، کیریئر کی راہنمائی، سوچنے کی صلاحیت۔ ٹیچرز ٹریننگ پروگرام، برین بیسڈ لرننگ۔ ہیومن ریسورسز اسینشلز، وغیرہ، ہم اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے نوجوانوں کی ٹریننگ اور سیمنار کا انعقاد کریں گے اور بتدریج قرآن کریم کی طرف راغب کریں گے۔

اس کے بعد مہمان خصوصی محترم جناب اظہر عباس صاحب جن کی علمی استعداد کے سب معترف ہیں نے اپنی قیمتی آراء اور خیالات کا اظہار کیا۔

آخر میں نمائندہ بزم محترم محمد اقبال صاحب نے آئندہ اتوار سے مسلسل درس پیش کرنے کی نوید دی، اور حاضرین کی بھرپور شرکت کا شکریہ ادا کیا۔ بعد ازاں حاضرین میں مٹھائی اور دیگر رفریشمنٹ اور چائے پیش کی گئی۔

افتتاحی تقریب بزم طلوعِ اسلام ڈی ایچ اے کراچی

مورخہ 30 اپریل 2017ء



ڈاکٹر حامد میاں، نیویارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقبالؒ اور جناحؒ

جو قوم اپنے محسنین کو بھلا دیتی ہے، اس قوم میں محسنین آنا بند ہو جاتے ہیں۔ اور جب وہ قوم ان کے کیریکٹر پر منفیانہ تنقید شروع کر دیتی ہے تو وہ قوم خود نفسیاتی الجھاؤ میں الجھ جاتی ہے اور اس قوم کا اپنا کیریکٹر بتدریج مسخ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

ہاں جناح ایک سیکیولر انسان ''تھا''، ہاں جناح ایک نیشنلسٹ ''تھا'' لیکن یہ یاد رہے کہ ہر انسان میں ایک ارتقاء کا پہلو موجود ہوتا ہے اور اس کی نمود بتدریج ہو رہی ہوتی ہے۔

یہ وہی جناح تھا جس کے نام پر جناح کانگریس ہال آج بھی موجود ہے۔ یہ وہی جناح تھا جس نے ہندوستان کی آزادی کیلئے انگریز سے جنگ شروع کی۔

یہ وہی جناح تھا جو اپنی خودی کی نمود اپنی ذات کی پختگی سے کر چکا تھا۔ ''جو کہتا تھا وہ کرتا تھا'' یاد رہے قرآن میں ہے کہ وہ کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

اصول پرست انسان کو عموماً ہمارے جیسے معاشرے میں ضدی تصور کر لیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ جناح ایک اعلیٰ درجہ کا قانون دان تھا اور قرآن ایک قانونی ضابطہ حیات ہے اور قرآن کو ایک قانونی ضابطہ حیات کی طرح سمجھنے کا شرف اللہ تعالیٰ نے محمد اقبالؒ کو عطا کیا۔

یاد رہے کہ اقبالؒ بھی ایک نیشنلیسٹ ''تھا'' مگر پھر اسی نے کہا۔۔۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

اقبالؒ ہی وہ شخص تھا جس نے قرآنِ کریم سے دو قومی نظریہ کے تصور کو اخذ کیا۔ یہی تصور حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک ہر پیغمبر نے پیش کیا۔ یہ کوئی اقبال یا جناح کی اپنی ذہنی پیداوار نہیں تھی۔ یہ اسلام کا تقاضا ہے۔

پھر یاد رہے کہ اقبال بھی ایک قانون دان تھا اور ایک معلم کی حیثیت سے انہوں نے جناحؒ کو قرآن سے ایک قانون کی کتاب کی حیثیت سے آشنا کرایا۔ ایک قانون دان کی حیثیت سے جناحؒ خدا کے قوانین کو بہت جلد سمجھ گئے۔

جناح اقبال سے ملتے رہے اور خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔

اس عمل میں اقبال کو تین سے پانچ سال کا عرصہ لگا جبکہ ھیکٹر بولیتھو اپنی کتاب (Creator of Pakistan Jinnah) میں ان ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک دہائی کا عرصہ بتاتا ہے۔

یاد رہے یہ اقبال ہی تھا جس نے قرآن کو بحیثیت دین کے امت سے آشنا کرایا۔ ہم چودہ سو سال سے اسلام کو مذہب ہی سمجھتے رہے۔ حقیقتاً اسلام ایک دین یا سسٹم ہے اور ہر سسٹم کو نافذ کرنے کے لئے ایک قانونی ضابطۂ حیات یا کونسٹیچیوشن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ قرآن ہے جو تمام انسانیت کے لیے ضابطۂ حیات ہے۔

اقبالؒ کی ساری تعلیم کا ماحصل قرآن ہی کی تعلیم کو اُبھار اور نکھار کر اُمت کے سامنے لانا ہے۔ اور انسان کو اس کے مقام سے آشنا کرانا ہے۔

ہم آج تک اقبال اور جناح کو سمجھ نہ سکے۔ کوئی انہیں مذہبی اور کوئی انہیں سیکیولر قرار دیتا ہے۔ حقیقتاً یہ دونوں الفاظ ان کی ذات کے شایاں نہیں۔

وہ دونوں قانون دان تھے اور خدا کے قوانین کو بہت اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ اور جب کوئی خدا کے قوانین کو سمجھ لیتا ہے تو اس پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ ان قوانین کو انسانیت کی بھلائی کے لیے اس دنیا میں کسی ایسے خطے پر نافذ کرے جہاں پہلے سے کوئی یا ور کونسٹیچیوشن نہ ہو۔ اس کے لئے ایک خطہ ارض کی ضرورت ہوتی ہے۔

اقبالؒ نے یہ عظیم فریضہ جناح کے ذمہ لگا دیا۔ کیونکہ اقبال ساری عمر جس مردِ مومن کی تلاش میں رہا وہ اسے جناح میں نظر آیا۔

وہ پختہ ذات وہ خودی کا علمبردار اور اقبال کی اُمیدوں کا پاسدار ''جناح''

وہ دونوں ایک عظیم مشن کی ابتدا کر کے چلے گئے۔ یہی مشن خدا نے حضراتِ موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کے ذمہ لگایا تھا۔ ایسے رہبر اور لیڈر انسانیت کو بہت کم نصیب ہوتے ہیں۔

اقبالؒ جناحؒ کا ایک ادنیٰ سپاہی اور جناح اقبال کا ایک ادنیٰ سپاہی، ان دونوں کی زبانی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سانحۂ ارتحال

نہایت دکھ کے ساتھ یہ خبر دی جاتی ہے کہ سابق چیئرمین ادارہ محترم ایاز حسین انصاری گذشتہ دنوں طویل علالت کے بعد وفات پا گئے ہیں۔ محترم ایاز حسین انصاری مرحوم ایک مرنجاں مرنج شخصیت تھے۔ آخر وقت تک فکرِ قرآنی کی توسیع واشاعت کے لیے کوشاں رہے۔ مرحوم سکھر ڈویژن کے کمشنر رہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد ریونیو بورڈ کے ممبر بھی رہے۔ اس دوران بزم طلوع اسلام حیدرآباد اور کراچی صدر کے نمائندہ رہے۔ جون 1995ء تا مئی 2004ء تک ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین رہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے۔ ادارہ مرحوم کے پس ماندگان اور اعزہ واقرباء کے دُکھ میں برابر کے شریک ہے۔

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com
khawaja.azharabbas@gmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اعجاز القرآن

اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں اور انسان کی اپنی بنائی ہوئی چیزیں ایک نگاہ میں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ جو لوگ سو سو منزلہ عمارات تعمیر کر سکتے ہیں۔ وہ ایک پھول، ایک کلی، ایک پتا نہیں بنا سکتے۔ کائنات اللہ کا فعل ہے۔ قرآنِ کریم اللہ کا قول ہے۔ ان میں باہم تضاد نہیں ہو سکتا۔ انسان نہ تو کائنات کی کوئی چیز بنا سکتا ہے اور نہ ہی اللہ کا کلام بنا سکتا ہے، اللہ کے فعل و قول کا مقابلہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ جب سے قرآن نازل ہوا ہے اس کا برابر یہ ہی دعویٰ رہا ہے کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں۔ جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کا سورج جیسا سورج اور خدا کا آسمان جیسے آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قرآن کو مٹانے کی لوگ سازشیں کریں گے، مکر بنائیں گے، مقابلہ کے جوش میں کٹ مریں گے اپنی مدد کے لیے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دعوت دیں گے، کوئی حیلہ، کوئی بہانہ، کوئی تدبیر، کوئی داؤ پیچ اٹھا نہ رکھیں گے۔ اپنے کو اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالیں گے۔ سارے مصائب و دواہی کا تحمل ان کے لئے ممکن ہوگا مگر قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کا لانا ممکن نہیں ہوگا قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِہٖ وَلَوۡ کَانَ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ ظَہِیۡرًا ﴿۸۸﴾ (17:88) ترجمہ: اے رسول! تم کہہ دو کہ اگر (ساری دنیا جہان کے) آدمی اور جن اس بات پر جمع ہوں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تو اس کے برابر نہیں لا سکتے اگر اس کوشش میں ایک کا ایک مددگار بھی بنے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ حضور ﷺ کے عہد میں جن لوگوں نے اپنی جانیں دیدیں، مال تک لٹا دیا، گھر بار لٹ گیا، حکومت چلی گئی تو لیتِ کعبہ چلی گئی، کیا انہوں نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ اس کے مقابلہ کی ایک سورت بنالیں۔ پھر اس چودہ سو سال کے عرصہ میں مسلمانوں کے دشمنوں نے کبھی اس کی ہمت نہیں کی۔ صلیبی جنگیں ہوئیں۔ سارے یورپ کی ساری عیسائی حکومتیں تین سو سال تک مسلمانوں سے لڑتی رہیں، ان تمام جنگوں کی کیا ضرورت تھی۔ مشرق وسطی میں غیر مسلم عرب ادیب و بلغاء بھرے پڑے تھے، کسی نے ایک سورۃ نہیں لکھی۔ ہندوستان میں غدر کے بعد برٹش گورنمنٹ کی زیر نگرانی بڑے بڑے مناظرے ہوتے تھے۔ مسلمان علماء ان کو بار بار چیلنج کرتے تھے۔ عیسائی پادریوں میں پادری Sale پادری فنڈز اور دیگر مناظر موجود ہوتے وہ عربی کے سکالر تھے۔ Sale کا ترجمہ قرآن آج تک ملتا ہے لیکن کسی نے ایک سورہ بنانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ لَا رَیۡبَ کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اس کے وحی الٰہی ہونے کے کچھ دلائل تو خود قرآن نے دیئے ہیں اور کچھ دلائل اس پر غور کرنے سے، علماء مفسرین کے سامنے آئے ہیں۔ جب آپ قرآن پر

غور کرنے کے لیے بیٹھے ہیں تو سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ماضی کے سابقہ نظریات پر Stick نہ کریں اور ان کو کم سے کم اہمیت دیں کیونکہ قرآن نے فرمایا لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ (56:79) اس کے مفہوم کو وہ ہی جان سکتے ہیں جو پاک ہوں۔ حضرت شیخ الہند کے ترجمہ کے فوائد میں حضرت شاہ محمد اسحٰق کے حوالہ سے تحریر ہے ''اور بعض نے لَّا يَمَسُّهٗٓ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی اس قرآن کو نہیں چھوئے گا مگر پاک لوگ یعنی جو صاف دل اور پاک اخلاق رکھتے ہیں۔ وہ ہی اس کے علوم وحقائق تک ٹھیک رسائی پا سکتے ہیں۔''

قرآن کریم کے وحی الٰہی ہونے کی ایک دلیل جو سب لوگوں کے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ اگر قرآنِ کریم انسانیت کے اس موجود دور کے مسائل حل کرتا ہے تو وہ یقیناً وحی الٰہی ہے اور اگر وہ انسانیت کے مسائل حل نہیں کرتا تو وہ وحی الٰہی نہیں ہے۔ نزولِ قرآن کے دور میں اور اس وقت بھی ہر طرف مذہب رائج ہے جو انسانیت کے مسائل حل کرنے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ مذہب کی دوسری خامی اور اس کی کمزوری یہ ہے کہ اس کے نتائج اس دنیا میں سامنے نہیں آتے اس لیے یہ بات طے نہیں ہو سکتی کہ کون سا مذہب درست ہے اور کونسا مذہب باطل ہے اس معاملہ میں دین کے حق و باطل پر ہونے کا فیصلہ بہت آسان ہے۔ دین کے درست ہونے کے دو ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں۔ دین کے درست ہونے کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ وہ انسانیت کے مسائل حل کرتا ہے اور اس کے درست ہونے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ قرآنِ کریم انسانیت سے جو وعدے کرتا ہے یہ نظام ان وعدوں کو پورا کرتا ہے۔ اگر قرآنی نظام قرآن کے دعوؤں کو پورا کرتا ہے تو وہ وحی الٰہی ہے اور اگر اس کا نظام اس کے وعدوں کو پورا ہی نہیں کرتا تو قرآن وحی الٰہی نہیں ہے۔ ان دونوں دلائل کے لئے ہم آیات پیش خدمتِ عالی کرتے ہیں۔ فرمایا: بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (10:39) انہوں نے اس قرآن کو اس لئے جھٹلا دیا کہ اُنہوں نے اس کا علمی احاطہ نہیں کیا اور اس کے نتائج بھی سامنے نہیں آئے تھے، اس سے پیشتر بھی لوگوں نے اسی طرح جھٹلایا تھا بس تم ظالموں کا انجام خود دیکھ لو۔

قرآن کی تکذیب وہ کرتا ہے جس نے اس کا اپنے دور کے علم کے مطابق احاطہ نہیں کیا۔ یہ ایسی آیات ہوتی ہیں جن سے قرآن کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہاں قرآن نے صرف علمی احاطہ نہ کرنے کو تکذیبِ دین کا سبب نہیں بتایا بلکہ ضمیرہ کا مرجع علم ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے دور کے علم کے مطابق احاطہ نہیں کیا۔ انسانی فکر اور انسانی علوم بڑھتے جا رہے ہیں اور ہر شخص کو اپنے دور کی علمی سطح کے مطابق احاطہ کرنا اس کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ وحی الٰہی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علمی احاطہ ایک نظری اور فکری چیز ہے۔ فرمایا یہ کوئی نظری بات نہیں ہے بلکہ میں ایک نظام دیتا ہوں اور یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ اس کے دعووں کے نتائج ضرور سامنے آئیں گے اس کا دعویٰ ہے کہ جو قوم اس نظام کو جاری کرے گی، وہاں ہر شخص کو رزق فراہم ہوگا (11:6) اگر یہ دعویٰ پورا ہو جائے تو قرآن وحی ہے اور اگر اس کے وعدے پورے نہ ہوں تو وہ وحی نہیں۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس نظام میں کسی کو خوف وحزن نہیں ہوگا (2:38) آپ وہ نظام قائم کریں اس میں سب لوگ خوش حالی سے زندگی بسر

کریں گے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ قرآنی نظام میں سب لوگوں کی خوابیدہ صلاحیتیں اور توانائیاں بیدار ہوجاتی ہیں۔ آپ یہ نظام قائم کر کے خود اندازہ کرلیں کہ لوگوں کی صلاحیتیں اس نظام میں Actualize ہوتی ہیں یا نہیں قرآنی نظام کے مبنی برحق ہونے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ قرآن نے حضور ﷺ سے کہلوایا یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ (6:135) تم ان کفار و مشرکین سے علی الاعلان کہہ دو کہ تم اپنے پروگرام پر عمل کرتے رہو میں اپنے پروگرام پر عمل کرتا ہوں۔ نہ میں تمہارے کام میں مداخلت کرتا ہوں اور نہ تم میرے کام میں مداخلت کرو فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ۔۔۔ تمہیں بہت جلد یہ بات معلوم ہوجائے گی کہ مَنْ تَکُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ ۔۔۔ انجام کار کامیابی کس کو نصیب ہوتی ہے اور کس کا پروگرام درست ہے اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ (6:135) قرآن کا غیر متبدل اصول یہ ہے کہ ظالم کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو ظلم کے مٹانے کے لیے وہ نظام جاری کرتا ہے جو حق پر مبنی ہو، اور عدل کی ترازو اس کے ہاتھ میں ہو۔

قرآن نے اپنے بے مثل ہونے کا جو دعویٰ کیا ہے وہ صرف اپنی زبان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے نہیں کہا کیونکہ اس طرح کا چیلنج تو صرف عربوں کے لیے ہوسکتا تھا۔ قرآن کا دعویٰ اپنے Contents کی وجہ سے بھی تھا ارشاد ہوا قُلْ فَاْتُوْا بِکِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ (28:49)، ترجمہ تو کہہ دے تم کوئی کتاب اللہ کے پاس کی لاؤ جو ان دونوں سے بہتر ہو میں اس کا اتباع کروں گا۔ قرآن کا یہ چیلنج تھا کہ فکر انسانی ایسے قوانین یا ایسا نظام وضع نہیں کرسکتا جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ قرآن دعویٰ یہ کررہا ہے کہ یہ قوانین انسانی فکر نہیں بنا سکتا کیونکہ اس نے چند آیات پیشتر یہ فرمایا لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲﴾ (32:2) سب سے بڑی خوبی وصفت اس ضابطۂ قوانین کے دینے والے کی یہ ہے کہ وہ ضابطہ دینے والا اور وہ ضابطہ حیات خود دونوں ربوبیتِ انسانیت کے ذمہ دار ہیں۔ اس نظام میں ہر شخص کی ربوبیت کی ذمہ داری اس نظام پر ہے۔ ایسی ربوبیت کہ اس میں جسمانی ربوبیت بھی ہو اور اس کی ذات کی ربوبیت بھی اس میں شامل ہو۔ یہ ضابطۂ حیات سب انسانوں کے لیے یکساں ہے اور اس میں اور خارجی کائنات میں ایک ربط باہمی بھی ہوتا ہے، جو ربط اس وقت فکر انسانی اپنی گرفت میں نہیں لا سکا۔ قرآن نے حرام مال کھانا، ناجائز قرار دیا ہے۔ حرام مال کھانے سے انسانی ذات پر بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خارجی کائنات کے قوانین جو ملائکہ کہے جاتے ہیں وہ نفسِ انسانی پر یہ اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ان اثرات کو مرتب کرنے میں ملائکہ کیا Part Play کرتے ہیں، فکر انسانی اب تک اس کی گرفت نہیں کرسکا۔ جس دن فکرِ انسانی نے اس پر گرفت کرلی اس دن یہ دنیا جنت بن جائے گی۔ اس ضابطۂ حیات جیسا ضابطہ لانے کی تحدی قرآن صرف اپنے دور کے لوگوں کو ہی نہیں کررہا ہے بلکہ قیامت تک کے لوگوں کو یہ تحدی کرتا ہے، اس چیلنج کے علاوہ مزید یہ چیلنج کرتا ہے کہ تم ایسا ضابطۂ حیات بنا ہی نہیں سکتے وَلَنْ تَفْعَلُوْا (2:24)، آپ غور کریں کہ کتنا بڑا چیلنج قیامت تک کے لیے قرآن کس جرأت اور حوصلہ سے کررہا ہے اور اس کا یہ چیلنج آج تک اپنی جگہ جم کے کھڑا ہے۔

یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ چونکہ حضور ﷺ خود قریش میں سے تھے، اس لئے حضور ﷺ کی اپنی زبان

نہایت بلیغ وشستہ تھی۔ آپ احادیث کی کوئی کتاب ملاحظہ فرمائیں، آپ ان احادیث کی بہترین زبان پائیں گے۔ اگر کسی حدیث کی زبان معیاری نہیں ہوتی، تو محدثین اس کی اسناد کے قوی ہونے کے باوجود اس حدیث کو مسترد کر دیتے ہیں۔ احادیث کی زبان بڑی معیاری زبان ہوتی ہے۔ اس کے باوجود بھی احادیث کے درمیان اگر ایک مختصر سی آیت درمیان میں آجائے تو قاری کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ آیتِ قرآنی ہے۔ قرآنِ کریم کی زبان اور حادیث کی زبان میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہ بات یقیناً غور کرنے کی ہے کہ تئیس سال کے طویل عرصہ میں کوئی شخص متواتر دو زبانیں نہیں بول سکتا۔ یہ بات ممکن ہی نہیں ہے قرآن کی زبان کا معیار ہر جگہ ایک ہی ہے۔ ایک شخص تحریر کی ایک صنف رزمیہ شاعری کا ماہر تھا۔ شاہنامہ اس کا شاہکار ہے۔ سارا شاہنامہ رزمیہ شاعری میں ہے۔ وہ اخلاقیات کا شاعر نہیں تھا۔ سعدی اخلاقیات کا شاعر تھا رزمیہ شاعری ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ ہماری اپنی زبان اردو میں میر ببر علی انیس مرثیہ نگاری کے بادشاہ تھے پانچ پانچ سو بند کے مراثی نہایت روانی سے، بلا تکلف لکھتے چلے جاتے تھے لیکن غزل نہیں لکھ سکتے تھے۔ غالب غزل کا بادشاہ تھا۔ غالب شیعہ ہونے کے باوجود مراثی نہیں لکھ سکتا تھا۔ قرآنِ کریم کا انداز ہی نرالا ہے۔ وہ رزم، بزم، جنگ وصلح، میراث کا پورا قانون صرف دو آیات میں بیان کر دیتا ہے۔ ان دو آیات میں اتنا مواد ہے کہ ہر طرح کے حصص کو یہ Cover کر لیتی ہیں۔ ان آیات کو سمجھنے کے لیے Legal Acumen اور ریاضی کا معمولی سا علم ہونا ضروری ہے یہ دونوں علوم نہایت سخت خشک و یابس ہوتے ہیں لیکن ان علوم کی یبوست کے باوجود ان دونوں آیات میں بلاغت کا وہی معیار ہے جو دوسرے مقامات پر ہے ذرّہ بھر کمی محسوس نہیں ہوتی۔

قرآنِ کریم کی فصاحت و بلاغت ایک Relative term ہے جس کا تقابل کیا جا سکتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں بلغاء وفصحاء ہو گذرے ہیں۔ عربی زبان کے ماہر مسلمان بلغاء نے بھی قرآن کی تحدی کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن قرآنِ کریم کی تین مخصوص خصوصیات ایسی ہیں جو کوئی شخص بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ یہ کسی انسان کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ قرآن کی ایک خصوصیت تصریف آیات اور اس کے ذریعے تفسیر القرآن بالقرآن ہے یعنی تصریف آیات سے قرآنِ کریم کو سمجھنا۔ قرآن کریم کا یہ انداز نگارش کوئی ہنگامی، اتفاقیہ، یا غیر ارادی نہیں ہے۔ قرآن نے اس اندازِ نگارش کو بہت سوچ سمجھ کے بعد اختیار کیا ہے۔ جس کی نشاندہی خود قرآن نے کر دی ہے ارشاد ہوتا ہے: اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ (6:65) اے رسول غور فرمائیں ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تا کہ لوگ اس میں تفقہ کریں۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ (6:46) اے رسول غور کریں ہم کس طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ پھر بھی یہ لوگ ہیں کہ تصریف آیات سے اعراض کرتے ہیں۔ قرآن نے خود حضور ﷺ کے متعلق بھی فرمایا کہ حضور ﷺ کا طریقہ تبلیغ بھی تصریف آیات ہی تھا۔

وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ (6:105)

مفہوم: اور اے رسولؐ ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں (تاکہ آپ تصریف آیات کے ذریعے درس دیا کریں) اور تاکہ لوگ یہ کہہ دیں کہ آپ نے خوب سمجھا دیا ہے (اور تصریف آیات کی دوسری غرض یہ ہے) تاکہ ہم عقلمندوں کے لیے اپنی آیتوں کی خود تبیین کر دیں۔ قرآنِ کریم کوئی درسی نصابی کتاب نہیں ہے کہ اس میں موضوعات کے مطابق ابواب (Chapters) قائم کئے جائیں اور ایک موضوع سے متعلقہ سارا مواد ایک مقام پر اکٹھا کر دیا جائے۔ قرآنِ کریم نے تصریف آیات کا یہ Style ہی اس لئے اختیار کیا ہے کہ کوئی اس کی مثال نہ لا سکے۔ قرآن کا یہی دعویٰ ہے کہ جن وانس میں سے کوئی شخص تصریف آیات کا طریقہ اختیار نہیں کر سکتا خواہ سب جن وانسان ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں (17:88)

آیاتِ قرآنی کو Chapter wise تحریر میں لانا ''تبویب القرآن'' کہلاتا ہے۔ تبویب القرآن آیات کو موضوعات کے مطابق جمع کر کے تحریر کیا جاتا ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہے کیونکہ تبویب لکھنے کے لیے سارے قرآن پر بیک وقت نگاہ ہونی چاہئے، تحریکِ طلوعِ اسلام کے بانی جناب پرویز صاحب، داعیٔ اسلام، علیہ الف الف تحیۃ والسلام، نے تبویب القرآن تصنیف کی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے قرآنِ کریم کی عظمت اور اس کا اعجاز نمایاں ہوتا ہے، کہ کس طرح قرآن مختلف مقامات پر ایک ہی موضوع کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔ قرآنِ کریم نے تقریباً 32 ہزار موضوعات پر روشنی ڈالی ہے یہ کتاب ہماری Website پر موجود ہے۔ زیادہ نہیں تو آپ اس کے صرف 5 موضوعات پر نگاہ ڈالیں مثلاً ارتقاء، صفحہ 97، تخلیق ارض وسماء صفحہ 1422، یہ تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ اس کتاب کے موضوعات کا تنوع ہی اعجاز القرآن کی دلیل ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں ذہنِ انسانی اتنے موضوعات کو سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ چہ جائیکہ ان کی تفصیلات تک پہ گفتگو کر دی جائے۔

تصریف آیات کے علاوہ طرزِ نگارش کے سلسلہ میں ہی قرآن کے وحی الٰہی ہونے کے بارے میں دوسرا ثبوت قرآنِ کریم کی آیات کا محکمات ومتشابہات میں منقسم ہونا ہے۔ دنیا کی کسی کتاب نے اپنے مندرجات کو محکمات ومتشابہات میں تقسیم نہیں کیا۔ صرف اور صرف قرآن نے یہ انداز اختیار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ کتاب قیامت تک کے لئے ایک ہدایت نامہ ہے۔ اس لئے اس کو اس طرح تقسیم کرنا ضروری تھا۔ اس کتاب میں محکمات وہ ہیں جو ان احکام پر مشتمل ہیں جن کے دو معنی نہیں ہو سکتے۔ چونکہ یہ احکامات ہر معاشرے کے لیے ضروری ہیں اس لئے ان کو محکمات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب کی بنیادی تعلیم پر مشتمل ہیں اور ان احکامات پر ہر معاشرہ کی تشکیل ہوتی ہے اور یہ احکامات ایک مملکت کو چلانے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن نے ان کو اُمُّ الْکِتٰبِ کہا ہے (3:7)۔

دوسری قسم کی وہ آیات ہیں جن کا تعلق مملکت کے روزمرہ کے قوانین سے نہیں ہوتا یہ متشابہات ہیں اور ان کے بغیر مملکت چل سکتی ہے۔ آیات متشابہات کا مفہوم انسانی علوم کی ترقی کے ساتھ ساتھ مزید واضح ہوتا چلا جاتا ہے ان آیات کو ہر دور کے انسان اپنے اپنے دور کی علمی سطح کے مطابق سمجھتے چلے جائیں گے۔ فکرِ انسانی کی وسعت کے ساتھ ساتھ ان آیات کا

مفہوم مزید واضح ہوتا چلا جائے گا جو شخص ان آیات کو آج سمجھے گا وہ اس موجودہ دور کی علمی سطح کے مطابق سمجھے گا۔ ان کے سمجھنے کے لئے ہر دور کی علمی سطح کو حاصل کرنا ضروری ہے۔ کسی بھی دور کے انسان کو یہ لکھنے کا حق نہیں ہے کہ وہ دعویٰ کر سکے کہ اس کا فہم قرآن، آخری فہم ہے۔ آج سے ایک سو سال کے بعد جب فکرِ انسانی نے مزید ترقی کر لی ہوگی اور علوم انسانی بہت وسیع ہو چکے ہوں گے، ان متشابہات آیات کا مفہوم مزید واضح ہو جائے گا اور اس کا مفہوم مستقبل کے دور کے مطابق ہوگا۔ آخری دور میں یہ ساری متشابہ آیات محکمات میں تبدیل ہو جائیں گی۔ یہ موضوع بہت طویل ہے۔ ہم اس سلسلہ میں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بڑی کثیر تعداد میں آیات پیش کر سکتے ہیں، لیکن اس مختصر مضمون میں ان کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ جن حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہے وہ ہماری کتاب اعجاز القرآن ملاحظہ فرمائیں وہاں یہ آیات تحریر کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ہماری Website پر پڑی ہے۔ اس کتاب اعجاز القرآن کے بارے میں بطورِ تحدیث نعمت یہ عرض کرنا غیر مناسب نہیں ہوگا کہ اس کتاب میں قرآن کے وحی الٰہی ہونے کے ثبوت میں اتنا مواد پیش کیا گیا ہے کہ اگر آپ اس کو ملاحظہ کریں گے تو آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ قرآن کریم آپ کی آنکھوں کے سامنے نازل ہو رہا ہے۔

اعجاز القرآن کے بارے میں ایک بڑی مضبوط دلیل جو ہمارے نزدیک حجت قاطعہ اور اُم الادلہ کا درجہ رکھتی ہے یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا یہ موقف ہے کہ ذہن انسانی اللہ تعالیٰ کی کنہ و ماہیت کا ادراک نہیں کر سکتا اس لئے اس نے اپنی صفات بیان فرمائی ہیں۔ ان صفات کا تفصیلی تعارف ہم اس مضمون میں بیان کریں گے جس میں اسلامی نظام کے متعلق مفصل بحث پیش کی جائے گی۔ یہاں ہم ان صفاتِ خداوندی کے متعلق اتنا ہی تحریر کریں گے جس کا تعلق اعجاز القرآن سے ہے۔

ان صفاتِ خداوندی کی رُو سے خدا کا جو تصور ہمارے سامنے آتا ہے، اس سے بلند، پاکیزہ اور مکمل تصور اور کسی جگہ نہیں مل سکتا۔ یہ صفاتِ خداوندی فلسفہ کی زبان میں بالقوہ انسانی ذات میں موجود ہوتی ہیں اور ان کی بالفصل نمود و نشوونما کرنا انسانی زندگی کا فریضہ ہے۔ جب آپ قرآنِ کریم پر غور و فکر کرتے ہیں تو آپ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ قرآنی آیات کے بعد ان صفات میں سے کوئی سی صفت یا صفات ان آیات کا جزو ہوتی ہیں۔ ہمارے مفسرین کرام نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی کہ ان صفات کا تعلق ان آیات سے بڑا گہرا ہوتا ہے اور آپ جس قدر ان صفات پر غور کریں گے، ان کا ربط واضح ہوتا چلا جائے گا۔ جس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت کا ذکر ہوتا ہے وہاں اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ صفت العزیز بیان کی گئی ہوگی۔ جس آیت میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرنے کا ذکر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو غلب اعمال کے نتائج سے محفوظ کر لیتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی صفت غفور کو ضرور بیان کیا جاتا ہے۔ جس جگہ اللہ تعالیٰ کے قوانین کی حکمت بیان کی جاتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی صفت الحکیم کو بیان کیا جائے گا۔ ان صفاتِ خداوندی میں آیات کا مفہوم لو Sum up کر دیا جاتا ہے۔ اگر کسی آیت کو سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے تو آپ ان صفات پر غور فرمائیں۔ ان صفات پر غور کرنے سے آیت کے مفہوم کا ایک Clue معلوم ہو جاتا ہے۔ صفاتِ خداوندی کو آیات سے اس طرح ربط دینا، صرف وحی ہی کر سکتی ہے۔ فکر انسانی اتنی

صفات، اس قدر بلند معانی کے ساتھ گرفت میں لا ہی نہیں سکتی اور مزید یہ کہ ان کو آیات سے ربط دینا ناممکن کام ہے اگر یہ قرآن وحی نہیں ہے اور نعوذ باللہ حضور ﷺ کا خود تحریر کردہ ہے تو حضور ﷺ اپنے ساتھ قرآن تحریر کرنے کے لیے نوٹس لئے نہیں پھرتے تھے کہ ان کو یہ بات یاد رہتی تھی کہ کس آیت کے ساتھ کون سی صفت لکھی جا چکی ہے اور کون سی صفت باقی ہے جس کو کسی مناسب موقع پر تحریر کرنا ہے۔ اب موجودہ دور میں قرآن فہمی کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی عالم دین ایسی تفسیر تحریر کرے جس میں آیات وصفات کا ربط بخوبی واضح کر دیا جائے۔ اب تک ایسی تفسیر تحریر نہیں ہوئی ہے۔ آیات وصفات کے ربط کے سلسلہ میں ہم نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس کے ثبوت کے لئے چند آیات پیش ہیں۔

1۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ (45:37) اور ہر ایک شخص اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ فی الحقیقت ساری کائنات میں اقتدار اختیار صرف ایک خدا کا ہے ہر شے پر اسی کا غلبہ ہے اور یہ غلبہ حکمت پر مبنی ہے۔

2۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① (57:1) کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے متعین پروگرام کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہے۔ وہ بڑے ہی غلبہ کا مالک ہے۔ لیکن اس کا غلبہ اندھی قوت نہیں۔ وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔

3۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ (57:28) اے جماعت مومنین تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو اور جو کچھ تم سے تمہارا رسول وحی کی رو سے کہتا ہے اس پر یقین رکھو اور اس کی اطاعت کرو اس طرح وہ تمہیں سامانِ رحمت و ربوبیت کے دو حصے دے گا اور تمہیں ایسی شمع نور عطا کر دے گا کہ تم زندگی کی جن راہوں پر بھی چلو گے وہ روشن ہوتی جائیں گی اور اس طرح تم ہر قسم کی تباہی و بربادی سے محفوظ رہو گے۔ یاد رکھو اللہ کے نظام میں تباہیوں سے حفاظت اور زندگی کی نشوونما کا سامان دونوں موجود ہیں۔

4۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① (58:1) ترجمہ: اللہ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے (اے رسول) اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑ رہی تھی۔ اللہ تم دونوں کے سوال اور جواب کو سن رہا تھا وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں یہاں صفاتِ خداوندی میں سے سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① کا کیسا مضبوط ربط ہے۔

5۔ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۚ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ ۚ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② (58:2) ترجمہ: تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں کو ظہار کر دیتے ہیں وہ کچھ ان کی مائیں نہیں ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جو ان کو جنتی ہیں اور وہ بیشک ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں۔ بیشک خدا معاف کرنے والا اور حفاظت کرنے والا ہے۔

6۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ (58:12) ترجمہ: اے ایمان والو! جب پیغمبر سے کوئی بات کان میں کہنی چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کوئی خیرات دے دیا کرو۔ یہی تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ ہے۔ پس اگر تم کو اس کا مقدور نہ ہو تو خیر تم رسول سے بات کہہ لیا کرو اللہ کے قانون میں ایسے مواقع کے لیے رعایت رکھ دی گئی ہے کیونکہ اس سے مقصد تو تمہاری حفاظت و تربیت ہے۔ تم پر سختی کرنا مقصود نہیں۔

7۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱﴾ (59:1) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہے اس خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے جو بڑی قوتوں اور غلبہ کا مالک ہے لیکن اس کی قوت اندھی فطرت کی قوت نہیں وہ یکسر حکمت پر مبنی ہے۔

8۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۶﴾ (60:6) یہ تھا ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کا وہ طرزِ عمل جس میں ہر شخص کے لیے پیروی کا عمدہ نمونہ ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو جو شخص اس طرزِ عمل سے روگردانی کرے گا تو اس سے اس کا اپنا ہی نقصان ہوگا۔ خدا کا کچھ نہیں بگڑتا وہ اس سے بے نیاز ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔ وہ اپنی ذات میں جملہ ستودہ صفات کا مالک ہے۔

9۔ وَكَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۰﴾ (29:60) کتنے ذی حیات ہیں جو اپنا رزق اپنی پیٹھ پر لادے لادے پھرتے ہیں یا اس کا ذخیرہ کرتے ہیں؟ ان سب کو خدا کے کائناتی قانونِ ربوبیت کے مطابق سامانِ رزق ملتا ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنے ہاں ویسا ہی نظام قائم کرلو تم سب کو رزق ملتا رہے گا اس لئے کہ وہ سب کی سنتا ہے اور ہر ایک کی ضروریات سے واقف ہے۔

10۔ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۰﴾ (9:40) اور اللہ کا نظام ہمیشہ اوپر رہے گا اور اللہ قوت اور حکمت والا ہے۔ اس نظام میں صحیح تدابیر اور قوت دونوں موجود ہیں چونکہ نظام کے غلبہ کا ذکر ہے اس لئے یہاں عزیز کی صفت لائی گئی ہے۔

11۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۱۲۶﴾ (3:126) ترجمہ: لیکن یہ سب کچھ تو صرف تمہیں بشارت دینے کے لئے ہے اور تمہارے اطمینان کی خاطر ورنہ کامیابی تو صرف اللہ کی طرف سے ہے کہ وہ عزیز و حکیم ہے۔ چونکہ نصرت اور مدد دینے کا ذکر ہو رہا ہے اس لئے یہاں صفت العزیز بیان کی گئی ہے۔

12۔ وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾ (2:218) اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اللہ حفاظت دینے والا، نشوونما کرنے والا ہے۔ غفور کے معنی حفاظت کرنے والا ہے اور رحیم کے معنی نشوونما دینے والا۔ دونوں صفات کا آیت سے گہرا تعلق ہے۔

13۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾ (6:104) ترجمہ اسے نگاہیں نہیں

پاسکتیں لیکن وہ تمام نگاہوں کو پا رہا ہے۔ وہ بڑا ہی باریک بین اور آگاہ ہے۔

نزول قرآن کے دوران ساری انسانیت میں روح اور روحانیت کا تصور پھیلا ہوا تھا۔ قرآنِ کریم نے روح اور روحانیت کے اس عالمگیر تصور کی تردید کی۔ قرآنِ کریم کا تصور زندگی یہ ہے کہ وہ تخلیق انسانی کے مختلف مراحل کا ذکر کرنے کے بعد جن مراحل کا تعلق اس کی طبعی ساخت سے ہے، اور جن مراحل میں حیوانات بھی شامل ہیں، قرآن کہتا ہے وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (32:9)، خدا نے اس میں اپنی طرف سے ایک توانائی ڈال دی۔ تو اس سے قرآن کی مراد نفس انسانی ہے جس سے سلسلۂ ارتقاء کی یہ کڑی (انسان) اپنی سابقہ کڑیوں (حیوانی زندگی) سے الگ اور متمیز ہو جاتی ہے۔ اس توانائی کی نسبت جب خدا کی طرف ہوتی ہے، اس توانائی کا نام قرآن میں روح ہے اور جب اس توانائی کی نسبت انسان کی طرف ہوتی ہے تو قرآن اس کو نفس کہتا ہے۔ قرآن روح خداوندی کا قائل ہے لیکن روح انسانی کا قائل نہیں ہے۔ نفس انسانی کا نشوونما کرنا انسان کا فریضہ زندگی ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (10-91:9) ترجمہ: اور نفس (انسانی) جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی اس کو فجور و تقویٰ کی۔ جس نے اس نفس کو سنوار لیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس کو خاک میں ملایا وہ ناکام ہوا۔ انسان کے ہر کام کا اثر اس کی ذات پر ہوتا ہے۔ جن کاموں سے اس ذات کو استحکام ملتا ہے وہ کام اعمال حسنہ ہیں اور جن کاموں سے اس نفس کو ضعف و اضمحلال ملتا ہے وہ اعمال سَیِّئہ ہیں۔

چونکہ نفس انسانی کی نشوونما انسان کی زندگی کا مقصد ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے وہ مستقل اقدار قرآنِ کریم میں تفصیل سے بیان فرمائی ہیں جن سے نفس انسانی کی پرورش ہوتی ہے۔ ہم ان اقدار میں سے چند اقدار تحریر کریں گے اور پھر آپ خود اندازہ فرمالیں کہ کیا عقل انسانی یہ اقدار خود دریافت کر سکتی ہے۔ ان اقدار پر صرف اجتماعی طور پر عمل ہو سکتا ہے اس لئے اسلامی نظام کا قائم کرنا ضروری اور لازمی ہوتا ہے۔ سیکولر حکومتوں کا قیام مقصود بالذات ہوتا ہے ان کا مقصد زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک Welfare حکومت ہو اور اس میں انسان کو تمام طبعی ضروریات آسانی سے مہیا اور فراہم ہوں۔ اسلامی نظام کے قیام کا مقصد صرف طبعی ضروریات کی فراہمی نہیں ہوتا۔ اسلامی نظام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس میں زندگی بسر کرنے سے نفس انسانی کی زیادہ سے زیادہ نشوونما ہو جائے اس کا زیادہ سے زیادہ تزکیہ ہو یعنی اس کی ساری صلاحیتیں بیدار ہو جائیں۔ یہ تزکیہ نفس یعنی نفس انسانی کی پرورش صرف انسانی مملکت میں ہو سکتی ہے اور صرف اس مملکت میں زندگی بسر کرنے سے انسان کو وہ استحکام ذات حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ حیاتِ جاوید حاصل کر لیتا ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ (44:56) ترجمہ: اس میں وہ سوائے پہلی موت کے جو جسم پر وارد ہوتی ہے موت سے دوبارہ دوچار نہیں ہوں گے۔ اب آپ چند مستقل اقدار ملاحظہ فرمائیں الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ (92:18) جو شخص اپنا کمایا ہوا مال دوسروں پر خرچ کرتا ہے۔ اس کا تزکیہ نفس ہو جاتا ہے۔

2۔ تکریم انسانیت، ہر انسان ذات (Personality) کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے ہر انسانی بچہ بلاتمیز رنگ و نسبت،

نسل، خون، خاندان، محض انسان ہونے کی وجہ سے یکساں واجب التکریم ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (17:70)، ترجمہ: ہم نے بنی آدم کو عزت واحترام دیا۔ احترام انسانیت ایک مستقل قدر ہے۔ وقت اور مقام کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ برتر از گردوں مقام آدم است۔

3۔ مدارج کا تعین ہر فرد کے جوہرِ ذاتی کی بناء پر ہوتا ہے (46:19) جو شخص سب سے زیادہ اسلامی نظام کی اطاعت کرتا ہے وہ سب سے زیادہ واجب الاحترام ہوگا۔ (49:13)

4۔ مکافاتِ عمل، قرآنی تصورِ حیات کی ساری عمارت قانونِ مکافاتِ عمل پر استوار ہوتی ہے۔ یعنی انسان کے ہر عمل کا نتیجہ مرتب ہو کر رہتا ہے۔ اچھے اعمال کا اچھا نتیجہ۔ بُرے اعمال کا بُرا نتیجہ سامنے آ کر رہتا ہے۔

5۔ عدل واحسان، عدل کے معنی ہیں ہر شخص کو اس کا پورا پورا حق دینا اور احسان کے معنی ہیں کسی کی کمی کو پورا کر کے اس کے توازن کو برقرار رکھنا (16:90)

6۔ وحدت انسانیت، دین کا مقصد نوعِ انسانی کی عالمگیر برادری تشکیل کرنا ہے (2:213، 10:14)، یہ برادری آئیڈیالوجی (ایمان) کے اشتراک کی وجہ سے وجود میں آتی ہے۔ (62:9)

7۔ ربوبیت عالمین، خدا رب العالمین ہے۔ ہر انسان کو دوسرے انسانوں کی ربوبیت کرنا ضروری ہے۔

8۔ نوع انسانی کی منفعت، وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ط (13:17) جو چیز پوری انسانیت کے لیے نفع بخش ہے وہ باقی رہتی ہے۔ جو ساری انسانیت کے لیے نفع بخش نہیں اس کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔

9۔ کوئی کسی کا محکوم نہیں (3:79) ہر فرد کی آزادی اور اس کا احترام مستقل قدر ہے۔

10۔ مشاورتی نظامِ حکومت، اقتدار پوری اُمت کو ملتا ہے۔ اُمت اور حکومت الگ الگ دو چیزیں نہیں ہوتیں اور کام سب کے مشورہ سے ہوتے ہیں۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ (42:38)

مضمون طویل ہو گیا ہے۔ مضمون کو مزید طویل نہ کرنے کی وجہ سے ہم ان دس اقدار پر اکتفاء کرتے ہیں۔ آپ یہ غور فرمائیں کہ:

1۔ ان میں سے کوئی ایک قدر بھی ذہن انسانی بنا سکتا ہے؟

2۔ ان اقدار پر استوار شدہ معاشرہ بہترین معاشرہ ہوتا ہے۔

3۔ کیا کوئی وقت ایسا آ سکتا ہے کہ یہ اقدار فائدہ مند ہونے کی بجائے نقصان دہ ہو جائیں؟

اگر آپ ان امور پر غور فرمائیں گے تو قرآن کے وحی الٰہی ہونے کا ثبوت آپ کو مل جائے گا۔

اصل یہ ہے کہ قرآن کے خلاف شکوک ووساوس جب پیدا ہوتے ہیں جب قرآن کو بطور مذہب کے لیا جاتا ہے۔ جس دن مسلمانوں نے قرآن کریم کو بطور نظام جاری کر دیا اور اس کے نتائج سامنے آنے شروع ہو گئے اسی دن سے یہ شکوک وشبہات خود بخود رفع ہو جائیں گے اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں گے۔

عارف محمود کسانہ، سویڈن
arifkisana@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں کا صفحہ

بچوں کے لیے خصوصی تحریر، جسے بڑوں کو بھی پڑھنا چاہیے!

آج شمائل بہت خوش تھا۔ سکول سے گھر آتے ہی اپنی امی کے پاس گیا اور سلام کرنے کے بعد بتانے لگا کہ اُسے سکول میں تقریری مقابلہ میں اوّل انعام ملا ہے۔ اُس کی امی بھی بہت خوش ہوئیں۔ شمائل کہنے لگا امی جان نانا جان نے مجھے تقریر کی بہت اچھی تیاری کرائی تھی اس وجہ سے مجھے پہلا انعام ملا ہے حالانکہ دس دوسرے سکولوں سے بھی طلباء مقابلہ میں شریک تھے۔ ساتھ ہی وہ اپنی امی کو انعامی کپ اور سندِ امتیاز دکھا رہا تھا۔ امی جان ابھی فون کر کے ابو جان کو بھی بتایئے کی مجھے اوّل انعام ملا ہے اور میں نانا جان کو بتانے جا رہا ہوں، یہ کہہ کر وہ نانا جان کے کمرے کی طرف خوشی خوشی چلا گیا اور جاتے ہی سلام کرنے کے بعد نانا جان کو بھی اپنی کامیابی کا بتایا۔ نانا جان جب میں نے تقریر شروع اور کہا جنابِ صدر میری تقریر کا عنوان ہے مومن کی زندگی تو سب خاموش ہو گئے اور میری تقریر سننے لگے۔ جب تقریری مقابلہ ختم ہوا اور اوّل انعام کے لیے میرا نام پکارا گیا تو زبردست تالیاں بجائی گئیں۔ مہمانِ خصوصی نے جب مجھے انعام دیا تو کہا بیٹا آپ نے بہت اچھی تقریر کی ہے اور جس طرح مومن کی زندگی کو بیان کیا ہے اگر تم خود اُس پر عمل کرو گے تو ایک مثالی شخصیت بن جاؤ گے۔ نانا جان کہنے لگے یہ تو انہوں نے بالکل درست کہا ہے اگر مومن کی خصوصیات اپنے کردار میں پیدا کی جائیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان ایک مثالی شخصیت ہو گا۔

نانا جان مثالی شخصیت سے کیا مراد ہے اور وہ کس طرح کی ہوتی ہے۔ شمائل نے سوال کیا۔

نانا جان: مثالی شخصیت سے مراد ایسا شخص جس کا بہت اچھا اخلاق اور اعلیٰ کردار ہو۔ اُس کی بہت کامیاب زندگی ہو جس کی سب مثال دیں اور خود اُس جیسا بننا چاہیں۔

شمائل: نانا جان دنیا میں کون سی ایسی شخصیت ہے جسے ہم اپنے لیے مثالی شخصیت قرار دے سکتے ہیں۔

نانا جان: دنیا کی سب سے بڑی مثالی شخصیت ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی ہے اور قرآنِ حکیم نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ حضور پاک ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ میں اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے آیا ہوں۔

شمائل: نانا جان رسولِ پاک ﷺ کی شخصیت کے بارے میں مزید بتائیں اور یہ بھی کہ صحابہ کرامؓ کی آپؐ کے بارے کیا رائے تھی۔

نانا جان: رسول پاک ﷺ بہت نرم دل، خوش مزاج، دوسروں کے کام آنے والے، ملنے والوں اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے والے، مسکرا کر جواب دینے والے، اچھی اور مناسب گفتگو کیا کرتے تھے۔ رسول اللہؐ بہت ہنس مکھ اور ہشاش بشاش تھے آپؐ سے مل کر لوگ بہت خوش ہوتے تھے۔ آپؐ کی محفل میں بیٹھا کوئی شخص اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا آپ ہنسی مذاق پسند کرتے تھے اگر کوئی آپؐ سے خوش طبعی کرتا تو آپ بھی اُس کا ساتھ دیتے اور خوب ہنستے مسکراتے۔ آپؐ بچوں سے بہت پیار کرتے اور اُن کے ساتھ کھیل میں حصہ لیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولؐ اللہ سے زیادہ حُسنِ خلق کا مالک اور کوئی نہ تھا۔ تمام صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے اور وہ آپ کی شخصیت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپؐ نے بھی اُن کی تربیت بہت ہی اچھی کی جو قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں کی تھی۔ حضور ﷺ کے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ بدخلق نہ تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم سب میں بہترین وہ ہے جس کے اخلاق بہترین ہیں۔ ایک اور صحابی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرمؐ کی دس سال تک خدمت کی اور حضور ﷺ نے کبھی مجھے اُف نہ کہا اور نہ کسی چیز کے بارے میں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ حضرت عائشہؓ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرم دلی کو پسند کرتا ہے اور نرم دلی کا صلہ سب سے زیادہ دیتا ہے۔ آپ جب گھر میں ہوتے تھے تو گھر کے کام کاج میں مدد کرتے تھے۔ آپ صادق اور امین یعنی سچے اور امانت دار تھے۔ کبھی کسی کو بُرا بھلا نہ کہا اور نہ ہی کسی سے بدلہ لیا بلکہ ہر زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیتے تھے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے جب بھی کسی نے سوال کیا تو آپ نے جواب میں نہیں، کبھی بھی نہیں کہا۔ جو بھی آپؐ سے ضرورت کی کوئی چیز مانگتا تو آپؐ اُسے دے دیتے اور اگر آپ نہ دے سکتے تو بہت نرمی سے جواب دیتے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ بُری مجلس میں نہ بیٹھو۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی وہ اخلاق اپنائیں جو رسول پاکؐ کے تھے۔

شمائل: نانا جان ایک مثالی شخصیت کے بارے میں تفصیل سے بتائیں کہ ایک مثالی شخصیت میں کیا خوبیاں ہونی چاہیے۔

نانا جان: بیٹا ایک مثالی شخصیت میں وہ سب خوبیاں ہونی چاہیں جو ہمارے پیارے رسولؐ پاک میں تھیں اور جو میں نے ابھی تمھیں بتائی ہیں۔ ایک مثالی شخصیت میں سچائی، امانت، دیانت، شرافت، اخلاص، وعدہ کی پابندی، حسنِ سلوک، پاکیزگی، حیا، علم و عقل، محنت، اخوت، ہمت، اعتدال یعنی میانہ روی، صبر، قوتِ ارادی اور گفتگو کے آداب ہونے چاہئیں۔ مثالی شخصیت میں اخلاقی برائیاں جیسے حسد، منفی سوچ، اپنی غلط بات پر اڑنا، خواہ مخواہ دوسروں پر تنقید کرنا، فضول بحث کرنا، دوسروں کا مذاق اُڑانا، مایوس ہونا، انتقامی جذبہ رکھنا، دھوکہ دہی، جھوٹ اور احسان فراموشی نہیں ہونی چاہیے۔ اسی طرح ایک کامیاب شخصیت بننے کے لیے اپنے وقت کا بہترین استعمال کرنا چاہیے، سُستی اور کاہلی کی بجائے محنت سے کام کرنا چاہیے۔ اپنا خود جائزہ لینا چاہیے اور پابندی وقت سے اپنے کام کرنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ انسان کو وہی ملے گا جتنی وہ کوشش کرے گا۔ اللہ کا یہ بھی حکم ہے کہ لوگوں سے خوش اسلوبی سے بات کرو اور بے رُخی نہ برتو۔

شائل: نانا جان آپ نے باتیں تو بہت اچھی بتائی ہیں مگر ان پر عمل کرنا بھی تو بہت مشکل ہوگا۔

نانا جان: تمہاری بات بہت اہم ہے، اپنے عمل اور کردار کو ان اچھی باتوں کے مطابق ڈھالنا اور اپنے مزاج کو بدلنا مشکل ضرور لیکن ناممکن نہیں۔ دین کی تعلیمات کا سارا مقصد ایک اچھے اور اعلیٰ اخلاق کے حامل انسان کی تعمیر ہے اگر اچھا اخلاق اور کردار موجود نہیں تو سب کچھ بے مقصد رہ جاتا ہے۔ اس کے لیے مضبوط ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب ایک دِن میں نہیں ہوجاتا بلکہ اس کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ اگر کوئی ہر ہفتہ اپنی ایک بُری عادت چھوڑتا جائے اور ایک اچھی عادت اپناتا جائے تو تھوڑے ہی عرصہ میں وہ ایک اچھی شخصیت کا حامل ہوجائے گا۔

شائل: نانا جان آپ نے مجھے بہت اچھا طریقہ بتایا ہے اب میں ایسا ہی کروں گا۔ میں اپنا جائزہ لوں گا، اپنی غلطیوں کو تسلیم کروں گا اور جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اپنا رویہ بہتر بناؤں گا اور اُن چیزوں سے بچوں گا جو میرے کردار پر بُرا اثر ڈال سکتی ہیں۔ اپنی غلطی تسلیم کروں گا۔ اپنے وقت کا بہترین استعمال کروں گا۔ اپنے غصہ پر قابو پاؤں گا اور خوش خلقی کا مظاہرہ کروں گا۔ محنت کی عادت ڈالوں گا اور کوشش کرنا کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ ہر روز مطالعہ کرنے کی عادت ڈالوں گا۔ تمام انسانوں کا احترام کروں گا۔ اسلام کی تعلیمات سمجھ کر اُن پر عمل کروں گا اور قرآن مجید کی باقاعدہ تلاوت ترجمہ کے ساتھ کروں گا۔ اپنے منفی خیالات کی اصلاح کر کے اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کروں گا اور اس طرح ایک نئے جذبہ کے ساتھ زندگی بسر کروں گا۔

نانا جان: شاباش بیٹا! اگر تم واقعی اس عزم کے ساتھ اپنی شخصیت کی تعمیر کرو گے تو ایک بہت اچھے انسان بنو گے اور سب تمہاری تعریف کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ تم یہ سب کرو گے اور اللہ تعالیٰ بھی تمھیں توفیق اور ہمت دے گا۔

(ماہنامہ طلوعِ اسلام، فروری 2013ء سے ماخوذ)

یاد رکھئے! ہمارا طریقِ کار ہنگامہ آرائی اور تماشہ گری نہیں۔ ہمارا طریق نہایت خاموش اور پُرامن طور پر قرآنی فکر کو عام کیے جانا ہے۔ تاکہ اس نظام کے قیام کا تقاضا لوگوں کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے۔ ہم میں سے بعض تیز طبائع پر اس طریقِ کار کی سُست روی بعض اوقات گراں گزرتی ہے۔ وہ عام سیاسی جماعتوں کے سے ہنگامہ آرائی کے پروگرام اختیار کرنے کی تجویز کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ ہمارا یہ طریقِ کار، قرآنی فکر، تاریخی شواہد اور انسانی نفسیات کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہے۔ جو احباب ہمارے ہم سفر ہونا چاہیں انہیں یہ سب کچھ سوچ سمجھ کر شریک ہونا چاہئے۔ یہ کوہ کنی بڑی صبر آزما ہے۔ یہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں پہاڑ کی گھاٹی پر چڑھنے کے مترادف ہے جس میں قدم قدم ہی چلا جا سکتا ہے ورنہ۔۔۔ سانس اکھڑ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔۔۔"

(پرویز، سالانہ کنونشن، 17 تا 20 مارچ 1966ء)

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النور	(24)	264	350/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورہ آل عمران (اول)	(3)	472	500/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ الانعام	(6)	600	600/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورۃ انفال	(8)	210	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورہ توبہ	(9)	530	550/-	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورہ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-15)	500	500/-	سورۂ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطّور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورۂ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	28 واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	(58-59-60-61-62-63-64-65-66)	300	300/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	----				
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25-بی، گلبرگ 2، لاہور فون نمبر: +92 42 3571 4546 +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(قسط چہارم)

دو قومی قرآنی نظریہ پر مطالبۂ پاکستان

ہماری مذہبی پیشوائیت کے ہاں ابھی تک یہ قریب قریب مُتفقہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ ایک اسلامی حکومت کو جس قدر قوانین کی ضرورت ہے، وہ سب کے سب ہماری ایک ہزار سال سے مرتب فقہ (مذاہبِ) اربعہ (مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی) کے اندر آ چکے ہیں اور ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہوسکتا۔ اسے وہ شریعت کا نام دیتے ہیں جسے وہ اب ناقابلِ تبدل قرار دیتے ہیں۔ وہ سبھی اِس موقف پر مُتفق ہیں کہ اس دور اور آئندہ کے دور میں مملکت کا فریضہ قانون سازی نہیں رہا۔ اس کا کام اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ جو سوال سامنے آجائے، اس کے متعلق علماء فقہ سے اُن کے مرتب شدہ ہزار سال کے دوران کے فقہی حوالے سے فیصلہ دریافت کرلیا جائے اور اس کے بعد اس فیصلہ کو من وعن نافذ کردیا جائے۔

لہٰذا یہاں ہم قدرے تفصیل سے محترم معترض کے قائدِ اعظم کے نظریہ پاکستان کی سند کے حوالہ سے شریعت کا ذکر نہ کرنے کے موقف کی وضاحت خود اُنہی کے حوالہ سے بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

قائدِ اعظم کا نظریہ پاکستان کی سند کے حوالہ سے شریعت کے ذکر نہ کرنے کی حقیقت:

قائدِ اعظم کا موقف بڑی وضاحت وفصاحت سے اُن کے درجِ ذیل انٹرویو سے سامنے آجاتا ہے۔

9 اگست 1941 عیسوی، کو جناب جناح حیدرآباد، عثمانیہ یونیورسٹی، تشریف لے گئے۔ وہاں بعض نوجوان طُلباء نے ان سے کچھ سوالات کئے۔ اس کو مکالمہ کی شکل میں مسٹر محمود علی نے اردو میں ترجمہ کیا جو اخبار ''انقلاب'' کے 8 فروری 1942 عیسوی کے پرچہ زیرِ ادارت غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک کے شائع کیا گیا۔

سوال: مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں؟

جواب: جب میں انگریزی زبان میں مذہب (Religion) کا لفظ سُنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب (شریعت) کا یہ محدود اور مقید مفہوم یا تصور نہیں ہے۔ مَیں نہ کوئی مولوی ہوں نہ مُلا اور نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ مَیں نے قرآن مجید اور قوانینِ اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی۔ سیاسی ہو یا معاشی۔ غرضیکہ کوئی شُعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی

ہدایات اور سیاسی طریقِ کار نہ صرف مُسلمانوں کے لئے بہترین ہیں بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مُسلمانوں کے لئے حُسنِ سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر تصور کرنا ناممکن ہے۔

سوال: جب آپ اسلامی اصول کے نصب العین اور طریق کار دونوں میں بہترین اور برترین حکومت کا یقین رکھتے ہیں اور اجمالاً یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو خودمختار علاقے اس لئے مطلوب ہیں کہ وہاں وہ اپنے ذہنی میلانات اور تصورات زندگی کو بلا روک ٹوک بروئے کار اور روبہ ترقی لاسکیں۔ تو پھر اس میں کونسا امر مانع ہے کہ مسلم لیگ زیادہ تفصیل اور توضیح کے ساتھ اپنی جدوجہد کی مذہبی تعبیر وتشریح کردے؟

جواب: (دِقت یہ ہے کہ) جب اس جدوجہد کو مذہب سے تعبیر کریں تو ہمارے علماء کی ایک (میری نظر میں بہت بھاری اکثریت) جماعت، غیر اس کے سمجھنے کے کہ کام کی نوعیت، تقسیمِ عمل اور اس کے اصل حدود کیا ہیں، ان امور کو چند مولویوں کی اجارہ داری خیال کرلیتی ہے۔ اور (اپنے حلقہ سے باہر) اہلیت ومستعدی کے باوجود مجھ میں یا آپ میں (یعنی کسی اور میں) اس خدمت کے سرانجام دینے کی کوئی صورت نہیں دیکھتی حالانکہ اس منصب کی بجا آوری کے لئے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے انہیں مَیں ان مولوی صاحبان میں نہیں پاتا۔ (اور مشکل اندر مشکل یہ کہ) وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لینے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔

قائدِ اعظم نے اسی لئے پاکستان میں تھیاکریسی کے شریعتی نظام کو یکسر مسترد کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''ہمارے ملک میں اس وقت دو قسم کے لوگ موجود ہیں۔ ایک طبقہ پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کا حامی ہے اور دوسرا طبقہ پاکستان میں روایتی اسلام کا نظام برپا کرنا چاہتا ہے۔ مَیں ذاتی طور پر صحیح اسلامی نظام کا دیانتداری سے خواہشمند ہوں۔ پاکستان کے علاقوں میں ہم اس قابل ہوں گے کہ اسلام اور اپنے تہذیب وتمدن کی نگہبانی دوسروں کی مداخلت کے بغیر کر سکیں۔'' (طلوع اسلام، فروری 1959ء)

اُنہوں نے آسٹریلیا کے باشندوں کے نام 19 فروری 1948ء میں اپنے ایک پیغام میں فرمایا کہ:

''آپ کو اس باب میں کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہئیے کہ پاکستان میں کسی قسم کی تھیاکریسی (مذہبی پیشواؤں کی حکومت) کا رفرما نہیں۔''

قائدِ اعظم کے علاوہ علامہ اقبال نے اس جامد شریعت کے تصور کو یکسر مسترد کرتے ہوئے اس میں جدید زمانے کے تقاضوں کے مطابق ترامیم کرنے کی فوری ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے اپنا موقف یوں بیان کیا۔

شریعت کے متعلق، علامہ اقبال کا موقف:

علامہ اقبال نے اپنے چوتھے خُطبہ میں شریعت کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''اسلام کا پیش کردہ تصور یہ ہے کہ حیاتِ کُلی کی روحانی اساس ازلی وابدی ہے، لیکن اس کی نمود، تغیر وتنوع کے پیکروں

میں ہوتی ہے۔ جو معاشرہ حقیقتِ مُطلقہ کے متعلق اس قسم کے تصور پر مُتشکل ہو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنی زندگی میں مستقل اور تغیر پذیر عناصر میں تطابق و توافق پیدا کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس اپنی اجتماعی زندگی کے نظم و ضبط کے لئے مستقل اور ابدی اصول ہوں۔ لیکن ان ابدی اصولوں کے متعلق (نام نہاد شریعتی تصور کے مطابق) یہ سمجھ لیا جائے کہ ان کے اندر تغیر کا امکان ہی نہیں۔ تو اس سے زندگی جو اپنی فطرت میں متحرک واقعہ ہوئی ہے، یکسر جامد و منتصب ہو جائے گی۔''

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''مجھے اس بات کا علم ہے کہ عُلماء اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے مشہور فقہی مذاہب اپنی اپنی جگہ مکمل اور مُختم ہیں۔ لیکن نظری طور پر اجتہادِ مُطلق کے امکان سے انہیں کبھی انکار نہیں ہوا۔ (مَیں یہاں وضاحت کرنا چاہوں گا کہ اکابرین نے اس کے لئے ایسی شرائط لگادی ہیں، جن کو پورا کرنا ممکنات میں نہیں رہنے دیا۔) مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس قدامت پرستانہ ذہنیت کو باقی رکھا جائے۔ خود قرآن کی یہ تعلیم کہ حیات ایک ترقی پذیر عملِ ارتقاء ہے، اس کی مقتضی ہے کہ ہر نسل کو اس کا حق ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی مُشکلات کا حل تلاش کرے۔ وہ ایسا کرنے میں سلف کے علمی سرمایہ سے راہنمائی لے سکتے ہیں، لیکن اسلاف کے فیصلے اُن کی راستے میں روک نہیں بن سکتے۔''

علامہ اقبالؒ نے مکتبِ مُلّا کی سوچ پر گہری تنقید کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کے حوالے سے فرمایا کہ:

پیغمبرانہ طریقِ تعلیم یہ ہوتا ہے کہ رسول ﷺ کے احکام ان لوگوں کے عادات و اطوار اور رسوم و رواج کو خاص طور پر ملحوظ رکھتے ہیں جو اُن کے اولین مخاطب ہوتے ہیں۔۔ اور چونکہ اِن احکام کی ادائیگی بجائے خویش مقصود بالذات نہیں ہوتی انہیں آنے والی نسلوں پر من و عن نافذ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ غالباً یہ وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہؒ نے استحسان کا اصول وضع کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ قانون وضع کرتے وقت اپنے زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔''

علامہ اقبال ذرا آگے چل کر مزید وضاحت کرتے ہیں کہ:

''اِن حالات کی روشنی میں، میں بھی یہ سمجھتا ہوں کہ ان احادیث کے متعلق کہ جن کی حیثیت قانونی ہے، امام ابوحنیفہؒ کا یہ طرزِ عمل معقول اور مناسب تھا اور اگر آج کوئی وسیع النظر مقنن یہ کہتا ہے کہ احادیث ہمارے لئے من و عن شریعت کے احکام نہیں بن سکتی تو اس کا یہ طرزِ عمل امام ابوحنیفہؒ کے طرزِ عمل کے ہم آہنگ ہوگا جن کا شمار اسلامی فقہ کے بلند ترین مقننین میں ہوتا ہے۔''

لہٰذا اب ہمارے لئے یہ سمجھنا مُشکل نہ ہوگا کہ اسلاف کے موقف پر مبنی فقہی شریعت کا ذکر بانیانِ پاکستان نے نظریہ پاکستان کے حوالہ سے کرنا کیوں ضروری نہیں سمجھا۔ اِس ضِمن میں علامہ اقبال اِس مُشکل مرحلہ سے نکلنے کا حل بتاتے ہوئے خطبات ہی میں اعلان کرتے ہیں کہ:

''مسلمانوں کو موجودہ اُلجھاؤ سے نکالنے کے لئے ایک ایسے جرات مند قلب کی ضرورت ہے جو عمرؓ کی روح کو لئے اُٹھے اور اس کا اعلان کر دے کہ:

حسبنا کتاب اللہ۔۔۔ ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔

بانیانِ پاکستان کے حسبُنا کتاب اللہ کے موقف کی قرآن سے تائید:

علامہ اقبال کے اس موقف کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے کہ:

اَوَلَمۡ یَکۡفِہِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ ؕ (29:51)

کیا یہ اِن کے لئے کافی نہیں ہے کہ ہم نے تُم پر کتاب اُتاری جو اِن پر تلاوت کی جاتی ہے۔

قرآن کریم نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ:

مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ (6:38)

''ہم نے کتاب (قرآن) میں (دین کے بارے میں) کسی شے کی کمی نہیں چھوڑی۔''

لہٰذا، حسبنا کتاب اللہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے، کے موقف پر مکتبِ مُلا کی طرف سے کی جانے والی شدید تنقید بلا جواز رہ جاتی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب کی شکل میں شریعت (احادیث، علمِ کلام اور فقہ کی صورت میں) کے نام سے قرآن کے ساتھ بنیادی مآخذ کی صورت میں شامل کیوں کیا جاتا ہے؟ سوال بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس کا جواب تلاش کرنے کی وجہ تلاش کرنی ہوگی۔

ہماری اُمتِ مُسلمہ کی تاریخ اِس بات کی گواہی دیتی ہے کہ ہمارے مفاد پرست راہنما قرآن کے رسمی حوالہ سے معاشی استحصال کا شریعت کے نام سے متعارف کرانے کا ایک خفیہ ایجنڈا رکھتے ہیں۔ اِن کے برعکس بانیانِ پاکستان جیسے مخلص راہنما کسی پیروکار کا کبھی جذباتی، نفسیاتی، سماجی اور معاشی استحصال نہیں کرتے بلکہ قرآن کی روشنی میں اپنی زندگی کو انہیں فائدہ پہنچانے کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔

دیکھا جائے تو اِن دونوں کے مقاصد ہی الگ ہے اور اسی لئے سوچ کے زاویہ نگاہ میں بھی فرق ہے اور یہ فرق اُن کے رویوں سے بھی یوں مترشح ہوتا ہے۔

غیر مخلص مذہبی اور مخلص دینی راہنماؤں کی تلاشِ فہم کے طریقہ کار میں تضاد کی وجوہات:

اِن کے نقطہ نگاہ کی دوری کا اندازہ لگانے میں مدد فراہم کرنے میں دونوں گروہوں کا ایک طرف قرآن کی مجموعی تعلیم کو صرفِ نظر کرتے ہوئے شریعت کے نام سے غیر مُخلص مکتبِ کے موقف اور دوسری طرف سے حسبُنا کتاب اللہ کے موقف پر قائم مُخلص بانیانِ پاکستان کا تفصیلی تقابلی جائزہ لے کر وضاحت کی جاتی ہے۔

1۔ مفاد پرست مذہبی راہنما ایک ظاہری اور ایک خفیہ ایجنڈا رکھتے ہیں، جبکہ ان کی کاوشوں کا محور خفیہ ایجنڈا ہوا کرتا

ہے۔

مخلص دینی راہنما کے تمام مقاصد واضح اور متعین ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں کوئی خفیہ ایجنڈا نہیں پایا جاتا۔ وہ جو بات کرتے ہیں، صاف انداز میں کرتے ہیں اور ان کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔

2۔ مفاد پرست راہنما اپنے پیروکاروں کو اپنا فکری غلام بنانے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔

اس کے برعکس مخلص راہنما کبھی کسی شخص کو استعمال نہیں کرتے بلکہ وہ انہیں آزادی فکر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

3۔ مفاد پرست راہنما خود یا ان کے مقربین کی ٹیم، اپنے پیروکاروں کو یہی تلقین کرتے ہیں کہ وہ کسی مختلف نقطہ نظر رکھنے والے عالم کی تقریر نہ سنیں اور نہ ہی ان کی تحریریں پڑھیں ورنہ وہ گمراہ ہو جائیں گے۔

مخلص راہنما اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ لوگوں کو دونوں نقطہ ہائے نظر کو سمجھنا چاہیے اور ہر وہ نقطۂ نظر جو عقلی اعتبار سے درست ہو، اسے اختیار کر لینا چاہیے۔

4۔ مفاد پرست راہنما اپنی بات کو خدا کے حکم کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اس سے اختلاف کرنے کو گمراہی، کفر اور الحاد قرار دیتے ہیں۔

مخلص راہنما اپنی بات کو، اگرچہ وہ واقعتاً خدا کا حکم ہی ہو، اس طرح سے پیش کرتے ہیں کہ ''میری سمجھ کے مطابق خدا کا حکم یہی ہے۔ اگر آپ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں تو اس پر عمل کیجیے۔''

5۔ مفاد پرست راہنماؤں کے گرد مفاد پرست ''مقربین خاص'' کی ایک ٹیم ہوتی ہے جو ہر ہر موقع پر اپنے شیخ کو عوام میں مقبول بنانے کے عمل میں مشغول ہوتی ہے۔

مخلص راہنماؤں کے گرد ایسی کوئی ٹیم موجود نہیں ہوتی۔ ان کے شاگرد اور پیروکار بھی انہیں بس "ایک انسان اور ایک عالم" سمجھتے ہیں اور ان کی شخصیت کو کبھی حق و باطل کا معیار قرار نہیں دیتے۔

6۔ مفاد پرست راہنماؤں کے گرد مقربین خاص کا حلقہ انہیں عوام سے دور رکھتا ہے۔

مخلص راہنماؤں کے گرد ایسا کوئی حلقہ نہیں ہوتا اور یہ حضرات عوام سے گھل مل کر رہتے ہیں۔

7۔ مفاد پرست راہنما بعض اوقات اہمیت جتانے کے لئے کسی بڑی شخصیت کی روح سے اپنے روحانی تعلق کا دعوی کرتے ہیں۔

جبکہ مخلص راہنما ایسا کوئی دعوی نہیں کرتے اور نہ ہی اِس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

8۔ مفاد پرست راہنماؤں کی گمراہ کُن کرامتوں کا بھرپور پراپیگنڈا کیا جاتا ہے اور عقل کی بہت مخالفت کی جاتی ہے اور اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ لوگ اپنی عقل پر اعتماد کرنے کی بجائے راہنما کی کرامت پر اعتماد کریں۔

مخلص راہنماؤں کے ہاں عقل کو غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے۔ لوگوں کو علم سے وابستہ کر کے انہیں اس ذہنی سطح پر لایا

جاتا ہے کہ وہ خود اپنی عقل کو استعمال کر کے صحیح وغلط کا فیصلہ کریں۔

9۔مفاد پرست راہنماؤں کے ہاں کسی مخصوص شخص یا گروہ کو مخالف قرار دے کر اس کی تردید، تفسیق اور تکفیر میں ساری توانائیاں صرف کی جاتی ہیں۔

مخلص راہنما کسی مخصوص شخص یا گروہ کو نہیں بلکہ ان نظریات اور اعمال کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں جو ان کے خیال میں غلط ہوتے ہیں۔

10۔مفاد پرست راہنماؤں کے ہاں ''کراماتی واقعات'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔جبکہ مخلص راہنماؤں کے ہاں دلائل کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

11۔مفاد پرست راہنما کبھی پوری معلومات نہیں دیتے۔ان کے ہاں تصویر کا صرف ایک رخ پیش کیا جاتا ہے اور دوسرے رخ کو اس طرح سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ وہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

مخلص راہنماؤں کے ہاں تصویر کے دونوں رخ پیش کئے جاتے ہیں۔ایسے لوگ تصویر کا دوسرا رخ چھپانے کی بجائے اسے عوام کے سامنے پیش کر کے دلائل کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس میں کیا غلطی پائی جاتی ہے۔

12۔مفاد پرست راہنماؤں کے ہاں اختلاف رائے ایک جرم سمجھا جاتا ہے۔اور غلطی کی صورت میں شدید ردعمل سامنے آتا ہے۔جبکہ مخلص راہنماؤں کے ہاں اختلاف رائے ایک قدر (Value) کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی بھرپور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

13۔مفاد پرست راہنما اپنے پیروکاروں سے محبت کا مصنوعی سا مظاہرہ کرتے ہیں۔کسی انحراف کی صورت میں اسے بھرپور انداز میں جذباتی طور پر بلیک میل کرتے ہیں۔

مخلص راہنما کا اپنے پیروکاروں سے تعلق محض خلوص پر مبنی ہوتا ہے۔ان کے ہاں جذباتی طور پر بلیک میل کرنے کا تصور موجود نہیں ہوتا۔

14۔مفاد پرست راہنماؤں کے حلقوں میں جذباتیت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔مخلص راہنما بالعموم جذباتیت سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کے ہاں خاص طور پر اختلافی امور میں صرف دلائل کا تبادلہ کیا جاتا ہے اور جذباتیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔

15۔مفاد پرست راہنما اپنے پیروکاروں کو مکمل کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔جبکہ مخلص راہنما کبھی اپنے پیروکاروں کو کنٹرول کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

16۔مفاد پرست راہنماؤں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کا پیروکار اپنی پرانی شناخت بھلا کر نئی شناخت کو قبول کر لے، جبکہ مخلص راہنما کبھی ایسا نہیں کرتے۔

17۔ مفاد پرست راہنما اپنے پیروکاروں کو معاشرے سے کاٹ دینے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ مخلص راہنما دلوں کو ملانے کا کام کرتے ہیں۔

18۔ مفاد پرست راہنماؤں کے ہاں چونکہ جذباتیت کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اس وجہ سے ان کے حلقوں میں ایک تصوراتی (Fantastic) سا ماحول موجود ہوتا ہے۔ لوگ عموماً حقیقت سے فرار حاصل کر کے اس تصوراتی ماحول میں خوش ہو جاتے ہیں۔ مخلص راہنما لوگوں کو حقیقت پسند بناتے ہیں۔

19۔ مفاد پرست راہنماؤں کے ہاں سوالات کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے جبکہ مخلص راہنماؤں کے ہاں سوالات کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

یہاں یہ بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک آدھ بات استثنائی طور پر اگر کسی راہنما میں پائی بھی جائے تو اس پر فوری طور پر مفاد پرست ہونے کا فتویٰ نہیں لگا دینا چاہیے۔ ہمیں حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس راہنما کو اس طرف توجہ دلا دینی چاہیے کہ اس معاملے میں اس کا طرزِ عمل مفاد پرست لیڈروں جیسا ہے۔ اگر اس کے پاس اس طرزِ عمل کی کوئی معقول توجیہ موجود ہو اور وہ خوشدلی سے اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی کا فیصلہ کر لے تو یقیناً وہ راہنما مخلص ہی ہوگا۔ اس کے برعکس اگر وہ بھڑک اٹھے اور توجہ دلانے والے کو بے نقط سنائے تو پھر جان لینا چاہیے کہ وہ لیڈر مخلص نہیں ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی ابتدا میں مخلص ہو اور بعد میں وہ کسی وجہ سے مفاد پرستانہ کردار ادا کرنے لگ جائے۔ اس وجہ سے مذہبی راہنماؤں پر، خاص طور پر، نظر رکھنی چاہیے اور ان کی غلطیوں پر انہیں تنہائی میں بروقت توجہ دلانی چاہیے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر سکیں۔ اس مسلسل چھان بین کی وجہ یہ ہے کہ ایک عام آدمی کی غلطی کا نقصان تو صرف اسے ہی پہنچے گا جبکہ مذہبی راہنما کی غلطی کا اثر بہت سے لوگوں تک پہنچے گا۔

اس میں یہ بات بھی اہم ہے کہ ہمیں اجتہادی غلطی اور کردار کی غلطی میں فرق کرنا چاہیے۔ اگر مذہبی راہنما درست نیت کے ساتھ، دلائل کی بنیاد پر کسی مسئلے کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم کر بیٹھتا ہے تو یہ اجتہادی غلطی ہے۔ اجتہادی غلطی کا موجود ہونا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک مشہور حدیث کے مطابق مجتہد کو اس غلطی پر بھی اجر ملے گا۔ کردار کی غلطی سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ایسے ہتھکنڈے اختیار کرنے لگ جائے جس کے نتیجے میں لوگ اس کے فکری غلام بننا شروع ہو جائیں۔ ایسی صورت میں اس راہنما کو فوراً توجہ دلانی چاہیے کیونکہ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔

درجِ بالا رویوں کے اختلاف کی وجہ سے دین کی فہم کے زاویہ نگاہ میں بھی اختلافات نظر آتے ہیں۔ لہٰذا اِس کتاب کی تصنیف میں اِس امر کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اِن مفاد پرست مذہبی راہنماؤں کے موقف کا ازسرِ نو خود قرآن کی روشنی میں فہمِ القرآن کے لئے اصولوں کی تلاش کر کے اُنہیں متعین کیا جائے۔ یہاں وضاحت کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ خالص حقیقت تک رسائی ہمیں فہمِ قرآن کے اُنہی اصولوں کی مدد سے ممکن الحصول ہوگی جو اللہ نے متعین کئے ہیں۔ لہٰذا یہاں

اُن کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

قرآن کا مفہوم مُستند لغات کے حوالہ سے:

ہمارے ہاں قرآن کا ایک خاص مفہوم متعین ہو چکا ہے، اور عرب ہوں، یا غیر عرب، ہر جگہ وہی متعین مفہوم رائج ہے۔ قرآن کے الفاظ تو بے شک وہی ہیں، لیکن ان الفاظ کا مفہوم، عجمی تصورات پر مبنی ہوتا ہے۔ جب قرآن نازل ہوا، تو ان اصطلاحات میں سے کسی کا وجود نہیں تھا، جو بعد میں فقہ، روایات، تصوف اور کلام وغیرہ کی رو سے پیدا ہوئیں، اور آہستہ آہستہ، دین کا جزو بنتی چلی گئیں۔ لہٰذا، عجمی تصورات کے تحت جو کچھ سمجھا جاتا ہے، وہ درحقیقت قرآن کا مفہوم نہیں ہوتا بلکہ وہ غیر قرآنی مفہوم ہوتا ہے۔ قرآن کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کا صحیح طریق یہ ہے کہ عجمی مفہوم کو صَرفِ نظر کر کے دیکھا جائے کہ محاورہء عرب میں قریش کے ہاں اس کا کیا مفہوم لیا جاتا تھا، پھر دیکھا جائے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ کہاں کہاں استعمال ہوا ہے، ان سب مقامات کو جمع کر لیا جائے تو تصریف آیات کی رو سے کسی خاص مقام پہ کسی خاص لفظ کا صحیح قرآنی مفہوم ہمارے سامنے آجاتا ہے۔

اِسی طرح کا مفہوم متعین کرنے میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ عرب لوگ، کلام میں مجازی معنی بھی لیتے ہیں، یعنی اس کے ہاں بات کہنے کے کئی انداز اور اسلوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ استعارہ، تمثیل، قلب، تقدیم تاخر، حذف، تکرار، اخفاء، اظہار، تعریض، افصاح، کنایہ، ایضاح، واحد کو جمع، اور جمع کو واحد کے صیغے سے خطاب کرنا، اور خاص لفظ سے عام اور عام لفظ سے خاص معنی مراد لینا۔ قرآن کا نزول ان تمام اسالیبِ کلامِ عرب کے مطابق ہوا ہے۔ ان تمام اسالیب سے، یہاں قرآن کے کچھ مفردات واصطلاحات کا مفہوم ومطلب بیان کیا جا رہا ہے۔ ان اسالیب وانداز سے، استفادہ کرتے ہوئے، اس بات کا مکمل خیال رکھا گیا ہے کہ جو کچھ لکھا جائے، عصرِ حاضر کی علمی سطح کے مطابق، وہ قرآن کریم کی، مجموعی تعلیم کے خلاف نہ ہو اور مستند لغات میں موجود ہو۔ قرآنی الفاظ واصطلاحات میں اس امر کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ ان الفاظ کے ہر لفظ کا ایک مادہ Root ہوتا ہے، جو اپنے بنیادی معنی رکھتا ہے، اور گرامر کے قواعد کی رو سے، اس مادہ سے جتنے الفاظ بھی بنائے جائیں گے، ان میں مادہ کا بنیادی مفہوم ضرور جھلک رہا ہوگا۔

جہاں تک ان آیات کا تعلق ہے، جن سے جدید علوم پر روشنی پڑتی ہے، ایک عام اصول ہے جو کبھی غلط ثابت نہیں ہوا کہ الفاظ کے قدیم ترین اور بنیادی معانی ہی ایسے مفاہیم کی جانب لے جاتے ہیں، جو جدید سائنسی دریافتوں سے مطابقت رکھتے ہیں جبکہ اخذ کردہ اور مشتق (عرف) معانی سے حاصل کردہ تصورات یا تو ناقص ہوتے ہیں اور یا مکمل طور پر مہمل۔ مورس بوکائیے نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے کہ پہلی بار کچھ قدیم مفسرین نے اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق مشتق معانی اخذ کئے۔ معلومات کی کمی کے سبب ان کے لئے یہ جاننا ممکن نہ تھا کہ اس لفظ کے اصل لغوی معانی ہی یہاں مکمل طور پر کفائت کرتے ہیں۔ یہ وضاحت ضروری ہے ان مفاہیم میں بنیادی طور پر اردو میں ترتیب دی گئی ''لغات القرآن'' سے زیادہ تر استفادہ کیا گیا

ہے، جس کو مؤلف محترم غلام احمد پرویز نے عربی زبان کی تصنیف ''تاج العروس'' کو بطور اساس و بنیاد سامنے رکھ کر مرتب کیا ہے۔

عربی زبان کی اساسی لغت ''تاج العروس'' عربی کی مستند لغت ''قاموس'' کی شرح ہے۔ اس کے علاوہ عربی کی طویل مستند لغت ''لسان العرب'' کی اشاعت کے بعد اور اس کی خصوصیات کو بھی لغت میں شامل کرنے کی بنا پر ''تاج العروس'' علمی حلقوں میں مستند لغت کی اہمیت رکھتی ہے اسی لُغت کو بنیاد بنا کر انگریزی زبان میں Lane Lexicon کو بڑے سائنٹیفِک طریق سے ترتیب دیا گیا۔ اس کے علاوہ مذکورہ اردو زبان میں، مرتب ''لغات القرآن'' میں، عربی زبان کی امام راغب کی مشہور و معروف مستند لغت ''المفردات فی غریب القرآن''، ابن فارس کی ''مقاییس اللغۃ'' اور بطرس بستانی کی ''محیط المحیط'' سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

قرآن میں بار بار تدبر سے کام لینے پر زور دیا جاتا ہے اور تدبّر کرنے والے کے لئے انتخاب کرنا ضروری ہے کہ جو لفظ سامنے آیا ہے، تصریفِ آیات کے تحت اس کے جو معنی قرآن کے دیگر مقامات پر آئے ہیں، ان میں سے کون سا معنی اس مقام پر، اس لفظ کے لئے موزوں ہے، جسے اختیار کیا جائے یہ ہوسکتا ہے کہ تدبّر کرنے والا ایک وقت میں اپنے تدبّر سے ان معنی میں سے کسی ایک معنی کو لے۔ لیکن انسان کی بڑھتی ہوئی فکر سے تدبّر کی نئی نئی راہیں کھلتی رہتی ہیں۔ کسی مقام پہ اس نے دیکھا کہ پہلے معنی سے یہ دوسرے معنی زیادہ موزوں نظر آتے ہیں، تو وہ دوسرے معنوں کو اختیار کرسکتا ہے اور اسے اختلاف نہیں کہا جائے گا۔

جوں جوں علمِ انسانی بڑھتا چلا جائے گا، تدبر کی راہیں بھی کشادہ ہوتی چلی جائیں گی۔

قرآن نے خود بتایا ہے کہ:

سَنُرِیۡہِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَہُمۡ اَنَّہُ الۡحَقُّ ؕ (41:54)

انفس و آفاق میں جو ہماری علامات ہیں، ہم ان پر سے پردے اٹھاتے چلے جائیں گے تو ہر پردہ اُٹھنے کے بعد، جو بات سامنے آئے گی وہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ قرآن نے جو کچھ کہا تھا وہ حق ہے۔ لہٰذا پردوں نے تو ہر دور میں اٹھنا ہے، کیونکہ کسی ایک دور میں سارے پردے نہیں اٹھا کرتے۔ دنیا جتنی علم میں آگے بڑھے گی اتنے ہی پردے اٹھتے چلے جائیں گے۔ ہمارا دور اس بات پر شاہد ہے کہ پہلے ہزار سالوں میں بھی اتنی تبدیلیاں، انقلابات اور انکشافات نہیں ہوتے تھے جتنے ہمارے دور میں ہو رہے ہیں۔ آج کا دور بڑا تیز ہوگیا ہے۔ انسان کے علم کی ترقی کی رفتار بڑی تیز ہوگئی ہے۔ لہٰذا اسی اعتبار سے قرآن کے معنی، مفاہیم، انکشافات میں ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ اِسی لئے سیانے کہتے ہیں حقیقت تک آخری اور حتمی فیصلہ لینے کا اختیار آخری انسان پر چھوڑ دینا چاہیئے اِس ضِمن میں اپنی طرف سے وضاحت میں یہی اضافہ کرنا چاہوں گا کہ ہمیں بھی پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ کی تیاری میں ایسے ہی قواعد کو منطقی اور علمی پیمانہ پر پوری طرح منطبق ہونے کی بنا پر یونیورسٹی کی طرف سے مقالہ کو تیار کرنے کی خصوصی ہدایات دی جاتی تھیں۔ اِن ہدایات کی پیروی سے بنیادی مقصد یہی مطلوب رہا ہے کہ پُرانی بات کو نئے پیرائے میں اخذ کرتے ہوئے باقاعدہ مُستند اسناد کے حوالہ جات دیتے ہوئے ایک نئی تخلیق کے طور پر سامنے لایا جائے۔

(جاری ہے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نکتۂ شرعِ مبین

علامہ محمد اقبالؒ نے "مثنوی پس چہ باید کرد" کے باب نمبر 9۔۔۔ دراسرارِ شریعت میں فرمایا ہے:

کس نگردد در جہاں محتاجِ کس نکتۂ شرعِ مبین این است و بس

''کس نہ گردد در جہاں محتاجِ کس'' اسے علامہ محمد اقبالؒ نے ''شرعِ مبیں'' کے حوالہ سے پیش کیا ہے لہٰذا پہلے ہمیں شرعِ مبیں کو دیکھنا ہوگا۔ یہ شرعِ مبین، اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ مجید ہے۔ اس میں ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّؤۡتِيَهُ اللّٰهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوۡلَ لِلنَّاسِ كُوۡنُوۡا عِبَادًا لِّىۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلٰكِنۡ كُوۡنُوۡا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنۡتُمۡ تُعَلِّمُوۡنَ الۡكِتٰبَ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَدۡرُسُوۡنَ ۙ﴿79﴾ (3:79)

مفہوم: کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ خدا اسے ضابطۂ قوانین، حکومت اور نبوت عطا کر دے، اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کے احکام کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو۔ اس کی تعلیم یہی ہوگی کہ تم سب، اس کتابِ خداوندی کی اطاعت سے، جس کی تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو اور، جس پر غور و فکر سے اس کے مقاصد تک پہنچتے ہو، ربانی (یعنی اس کے نظامِ ربوبیت کے علمبردار) بن جاؤ۔ (3:79)

یہ نظامِ ربوبیت کیا ہے۔ اس کے بنیادی خدوخال کیا ہیں، اسے قرآن کریم نے بالوضاحت بیان فرمایا ہے:

اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿40﴾ (12:40)

مفہوم: اختیارات و اقتدارات کا واحد مالک خدا ہے۔ اس کے سوا حکومت کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ اس کا فرمان یہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی محکومیت اور اطاعت اختیار نہ کی جائے۔ یہ ہے زندگی کا محکم اور استوار

اسی نکتۂ شرعِ مبین کو حضرتِ علامہؒ نے درج ذیل مقامات پر بھی دہرایا ہے:

کس دریں جا سائل و محروم نیست عبد و مولا حاکم و محکوم نیست
بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام نے غلام اُورا نہ اُو کس را غلام
(جاوید نامہ، فلکِ عطارد، حکومتِ الٰہی)

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیر رہ نشیں
(ابلیس کی مجلسِ شوریٰ، ارمغانِ حجاز)

نقشہ۔لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

اس حکومتِ الٰہی کی عملی صورت کیا ہے۔فرمانِ خداوندی ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط۔۔۔(5:48)

مفہوم: ہم نے تیری طرف یہ کتاب نازل کی ہے جو تمام ٹھوس حقیقتوں کو اپنے آغوش میں رکھتی ہے۔اُن تمام وعدوں اور دعووں کو سچ کر کے دکھانے والی ہے جو کتبِ سابقہ میں کئے گئے تھے اور اس اصولی تعلیم کی جامع اور نگران ونگہبان ہے جو اس سے پہلے وقتاً فوقتاً دی جاتی رہی ہے اور جس کا ہمیشہ کے لیے غیر متبدل رکھنا مقصود ہے۔لہٰذا اب تم لوگوں کے معاملات کے فیصلے اسی کتاب (مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ) کے مطابق کرو۔اور اس قسم کے حقائق مل جانے کے بعد، لوگوں کے خیالات اور خواہشات کے پیچھے مت چلو۔

حکومتِ الٰہیہ دراصل ''بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' کے مطابق حکومت کرنے کا دوسرا نام ہے یہ بنیادی طور پر خدا کے رسول کی ذمہ داری ہوتی تھی۔عملی طور پر ایک رسول، خدائی احکام کی اطاعت کراتا تھا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (4:64)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیے کہ اطاعت کی جائے اس کی اللہ کے حکم سے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج (4:80)

ترجمہ: جس نے اطاعت کی رسولؐ کی سو در حقیقت اطاعت کی اس نے اللہ کی۔

حکومتِ الٰہیہ جس میں ''عبد و مولا، حاکم و محکوم'' نہیں ہوتے، وہ کیا ہوتی ہے، مندرجہ بالا آیات اور ''شرعِ مبیں'' کی روشنی میں اس کی وضاحت جناب قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اگست 1941ء میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، دکن کے طلبا کے ایک سوال کے جواب میں کر دی تھی۔انہوں نے فرمایا تھا کہ:

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآنِ مجید کے احکام و اصول ہیں۔اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں، قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی کا نام ہے اور حکمرانی کے لیے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

(بحوالہ اوریئنٹ پریس آف انڈیا)

اسلامی حکومت کا قیام، پیغمبرِ اعظم ﷺ کا فریضہ تھا۔ان کا کام قرآنی اصول و اقدار کے معاشرہ اور مملکت میں نفاذ پر منحصر

تھا۔ جہاں قرآنِ کریم نے اصول واقدار کی جزئیات متعین نہیں تھیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مشورہ کا حکم دیا تھا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ (3:159)

ترجمہ: اور مشورہ لیتے رہو ان سے دین کے کام میں۔ پھر جب پختہ فیصلہ کرلو۔ تو توکل کرو اللہ پر۔

یہ اسلامی نظامِ حکومت نبی کریم ﷺ کے بعد بھی جاری رہنا تھا (3:144)

امتِ محمدیہ اور خلیفۃ الرسول کو بھی قرآنی احکام کی اطاعت کرنے اور جہاں تفصیلی احکام نہ ہوں، وہاں مشورہ سے معاملات نمٹانے کا حکم ہے:

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣٨﴾ (42:38)

مفہوم: وہ لوگ جو خدا کے نظامِ ربوبیت کے قیام کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں، وہ خدا کے قوانین کی اطاعت کرتے اور نظامِ صلوٰۃ پر کاربند رہتے ہیں جو انہیں یہ سکھاتا ہے کہ تمام امور کے فیصلے، قوانین خداوندی کی حدود میں رہتے ہوئے، باہمی مشاورت سے ہونے چاہئیں اور جو سامانِ زیست انہیں حاصل ہو (اس میں سے بقدر اپنی ضروریات کے رکھ کر باقی) نوع انسانی کی ربوبیت کے لیے کھلا رکھتے ہیں۔

شرعِ مبین کے نظام میں چونکہ احکامِ خداوندی پر عمل ہوتا ہے اس لئے اس میں کسی فرد، ادارہ یا ڈکٹیٹر کی اطاعت نہیں ہوتی۔ اسلامی حکومت خدائی اصول واقدار کے نفاذ کی ایجنسی ہوتی ہے اور بس۔ اس لیے اس میں عبد و مولا، حاکم و محکوم کی تمیز نہیں ہوتی۔

جہاں تک ''کس نہ گردد در جہاں محتاجِ کس'' کا سوال ہے اور خصوصاً حکومتِ الٰہیہ میں ''کس دریں جا سائل و محروم نیست'' کا تعلق ہے، اسے ذرا گہری نظر سے دیکھنا ہوگا۔

علامہ محمد اقبالؒ نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اپنی کتاب ''علم الاقتصاد'' جو 1903ء میں شائع ہوئی تھی، کے دیباچہ میں لکھا تھا:

> اس میں کچھ شک نہیں کہ تاریخ انسانی کے سیلِ رواں میں اصولِ مذہب بھی بے انتہا مؤثر ثابت ہوئے ہیں مگر یہ بات بھی روزمرہ کے تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہوئی ہے کہ روزی کمانے کا دھندہ، ہر وقت انسان کے ساتھ ساتھ ہے اور چپکے سے اس کے ظاہری اور باطنی قویٰ کو اپنے سانچے میں ڈھالتا رہتا ہے۔ ذرا خیال کرو کہ غریبی، یا یوں کہو کہ ضروریاتِ زندگی کے کامل طور پر پورا نہ ہونے سے انسانی طرزِ عمل کہاں تک متاثر ہوتا ہے، غریبی قویٰ انسانی پر بہت بُرا اثر ڈالتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات انسانی روح کے مجلّا آئینہ کو اس قدر زنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے۔ معلم اوّل یعنی حکیم ارسطو سمجھتا تھا کہ غلامی تمدنِ انسانی کے قیام کے لئے ایک ضروری جزو ہے مگر مذہب اور زمانۂ حال کی تعلیم نے انسان کی جبلی آزادی پر زور دیا اور رفتہ رفتہ مہذب قومیں محسوس کرنے لگیں کہ یہ وحشیانہ تفاوتِ

مدارج، بجائے اس کے کہ قیامِ تمدن کے لئے ایک ضروری جزو ہو، اس کی تخریب کرتا ہے اور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر نہایت مذموم اثر ڈالتا ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ آیا مفلسی بھی نظمِ عالم میں ایک ضروری جزو ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہر فرد مفلسی کے دکھ سے آزاد ہو؟ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ گلی کوچوں میں چپکے چپکے کراہنے والوں کی دلخراش صدائیں ہمیشہ کے لیے خاموش ہوجائیں اور ایک دردمند دل کو ہلا دینے والے افلاس کا دردناک نظارہ ہمیشہ کے لئے صفحہ عالم سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے۔

اس کا حل قرآنی نظامِ ربوبیت نے دیا ہے کہ خدا کے نام پر اور اس کے احکام کے مطابق قائم ہونے والی حکومتِ الٰہیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر متنفس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کی ذمہ داری لے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (11:6)

مفہوم: روئے زمین پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا نے نہ لے رکھی ہو۔ اس لئے وہ جانتا ہے کہ ایک ذی حیات کو کسی ایک منزل میں ٹھہرنے، اور قانونِ ارتقاء کی رُو سے، اگلی منزل تک پہنچنے کے لئے کس قدر، اور کون کون سے سامانِ نشوونما کی ضرورت ہوگی۔ یہ سب کچھ خدا کے قانونِ مشیت کی کتاب میں واضح طور پر درج ہے لہٰذا منشائے خداوندی کو پورا کرنے والا نظام وہی ہوسکتا ہے جس میں کوئی ذی حیات رزق سے محروم نہ رہنے پائے۔ جو نظام، خدا کی ان ذمہ داریوں کو پورا کرے گا، وہی نظامِ خداوندی کہلا سکے گا۔

(تفصیل کے لئے دیکھیں 6:152، 29:60، 41:10)

یہاں ایک بات کی وضاحت قرآن نے خود بتائی ہے کہ چونکہ انسان کو اختیار وارادہ کی فضیلت سے سرفراز کیا گیا ہے، اس لیے خدا تعالیٰ کی فراہمیٔ رزق کی ذمہ داری انسانی دنیا میں خود انسانوں کے ہاتھوں پوری ہوگی۔ وہ اس طرح کہ انسان اپنے اختیار وارادہ سے وحی کی رُو سے جو خدا تعالیٰ نے نظام بتایا ہے، اسے اپنے معاشرہ میں نافذ کریں اور خدائی اصول واقدار کی پاسداری کریں تو یہ نظام خدائی ذمہ داریوں کو پورا کرے گا۔ ارشاد ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (36:47)

مفہوم: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو سامانِ زیست تمہیں خدا کے ہاں سے ملا ہے، اسے حاجتمندوں کی ضروریات پورا کرنے کے لیے کھلا رکھو، تو جو لوگ خدا کے نظامِ ربوبیت سے انکار کرتے ہیں، وہ، ان لوگوں سے جو اس نظام پر ایمان رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر خدا کی منشاء یہی تھی کہ رزق کی تقسیم اس طرح ہو کہ دنیا

میں کوئی بھوکا نہ رہے تو اس نے خود ہی ایسا انتظام کیوں نہ کر دیا؟ انسانوں سے کیوں کہا کہ تم ایسا معاشرہ قائم کرو جس میں ہر ایک کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوتی رہیں۔۔۔ انہیں کون بتائے کہ ایسا کہنے میں یہ کس قدر غلطی کرتے ہیں۔ انسانی معاشرہ میں خدا اپنے نظام کو انسانی ہاتھوں ہی سے قائم کرایا کرتا ہے۔ یہ اپنی ذمہ داری سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہ ان کی بہت بڑی غلط نگہی ہے۔ یہ اپنے ہر عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں: 6:149، 16:35، 43:20)

حکومتِ الٰہی کی اس ذمہ دار کو پورا کرنے کے لیے صاحبِ ایمان لوگوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ اپنے مال و دولت اور حاصلِ معاش کو سمیٹ کر اپنے اور اپنوں کے لیے ہی نہ رکھ لیں بلکہ انسانی مشکلات کی کشاد کے لیے اسے کھلا رکھیں اور دوسروں کی نشوونما کے لئے دیں۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ (3:92)

ترجمہ: تم کشادگی کی پوزیشن پر ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک تم خدا کی راہ میں وہ کچھ نہ کھلا رکھو جو تم محبوب رکھتے ہو۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (2:219)

اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کس قدر اللہ کی راہ میں کھلا رکھیں۔ آپ کہئے کہ ضرورت سے زائد سب کا سب۔

علامہ محمد اقبالؒ نے اس مضمون کو کئی طرح باندھا ہے۔ میں ایک آدھ مقام آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو — لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا

با مسلماں گفت جاں برکف بنہ — ہر چہ از حاحت فزوں داری بدہ

(جاوید نامہ)

یہ مؤمنوں کے ساتھ ایک معاہدہ کی رو سے ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ (9:111)

مفہوم: جماعت مومنین کا نظامِ خداوندی کے ساتھ ایک اہم معاہدہ ہوتا ہے۔ اس معاہدہ کی رُو سے، نظامِ خداوندی ان کا مال اور جان خرید لیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں انہیں جنت کی زندگی کی ضمانت دے دیتا ہے (یعنی اس دنیا میں ان کی تمام ضروریاتِ زندگی کہ بہم رسانی اور ان کی صلاحیتوں کے نشوونما پانے کے تمام وسائل و اسباب کی فراہمی، اس نظام کے ذمے ہو جاتی ہے۔) اس معاہدہ کے بعد وہ اپنی، اپنے متعلقین کی ضروریاتِ زندگی کی طرف سے مطمئن ہو جاتے ہیں، اور نظامِ خداوندی کے استحکام کی خاطر، عندالضرورت جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں نکل آتے ہیں۔ پھر یا تو دشمن کو قتل کر کے فاتح و منصور واپس آتے ہیں، یا خود اپنی جان دیدیتے ہیں اور مرنے کے بعد جنت کی زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔

یہ معاہدہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ سابقہ آسمانی کتابوں ـــــ تورات وانجیل میں بھی مذکور تھا اور اب اسی کی تجدید قرآن میں کی گئی ہے۔ اس عہد کا پورا کرنا اللہ نے خود اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔۔۔

جیسا کہ آیۂ مذکورہ سے ظاہر ہے، اس اسلامی معاشرہ کے قیام کی ذمہ داری، خود مومنین پر عائد ہوتی ہے اس لئے خدا کا وعدہ، مومنین کے اعمالِ صالحہ کے ساتھ مشروط ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (24:55)

مفہوم: اللہ نے ان لوگوں سے جو ان قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں اور اس کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق صلاحیت بخش کام کریں، یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ اللہ انہیں اس زمین میں حکومت عطا کرے گا۔ جیسے اس نے سابقہ اقوام کو بھی اسی قسم کی حکومت (تمکن فی الارض) عطا کی تھی اور ان کے اس نظامِ زندگی کو مستحکم کر دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کا خوف امن سے بدل جائے گا تاکہ وہ نہایت اطمینان سے اُس کے اور صرف اس کے قوانین کی اطاعت کریں اور ان پر کسی قسم کا جبر یا دباؤ نہ ہو کہ وہ اس کے ساتھ کسی اور کی بھی اطاعت کریں، اور اس طرح شرک کے مرتکب ہوں۔

یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک یہ لوگ اللہ کے قوانین پر عمل پیرا رہیں گے۔ جو لوگ ایسا نظام قائم ہو جانے کے بعد اس سے عملاً انکار کر دیں (اور احکام خداوندی کے بجائے، اپنے احکام نافذ کرنے لگ جائیں گے تو یہ لوگ اس شاہراہِ حیات کو چھوڑ کر جو انہیں صحیح منزل کی طرف لئے جا رہی تھی، اور راہوں کی طرف نکل جائیں گے اور اللہ کے وعدہ کا استحقاق کھو دیں گے۔)

یہاں ایک خطرناک گھاٹی ہے۔ مذہب پرست طبقہ، نظامِ اسلامی یا حکومت الٰہیہ میں زندگی بسر کرنے کے بجائے، انسانوں کو انفرادی نجات پر لگا دیتا ہے اور عبادات وارکان کی ظاہری صورت کی ادائیگی کو ہی اسلامی زندگی قرار دیتا ہے۔ اپنی زندگیوں کو قرآنِ کریم اور منزل من اللہ کے مطابق ایک معاشرتی نظامِ حکومت کے تابع گزارنے کو ضروری قرار نہیں دیتا۔ صرف عبادات کی ادائیگی کو ہی اسلام کی اصل صورت سمجھ لیتا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ ؎

مُلّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

قرآنِ کریم نے اس کی واضح نشاندہی کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا

بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ (4:60)

مفہوم: ان لوگوں کی حالت قابلِ غور ہے جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ قرآن پر اور کتبِ سابقہ پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کے فیصلے سرکش قوتوں (الطاغوت) سے کروائیں۔ حالانکہ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ قرآن پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ہر غیر خدائی نظام وقانون سے انکار کر دیا جائے اور شیطان چاہتا یہ ہے کہ انہیں راہِ ہدایت سے بھٹکا کر کہیں کا کہیں لے جائے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ (4:61)

مفہوم: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اپنے معاملات کے فیصلے کے لیے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (خدا کے قانون) اور اس کے عملاً نافذ کرنے والے رسول کی طرف آؤ تو جیسا کہ (اے رسولؐ) تم دیکھتے ہو، یہ لوگ تم سے اعراض برتتے ہیں اور معاملات کے فیصلے کے لئے تمہاری طرف آنے سے رُک جاتے ہیں ــــ یہ ایمان نہیں، مفافقت ہے۔ کفر ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ قرآنِ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔ (5:44)

شرعِ مبین کے اس نکتہ کی وضاحت کے لیے علامہ محمد اقبالؒ نے ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے جلسہ منعقدہ الٰہ آباد 1930ء میں فرمایا تھا:

''حقیقت یہ ہے کہ اسلام، خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی واسطہ کا نام نہیں۔ یہ ایک نظامِ حکومت ہے جس کی ہیئت ترکیبی میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ ہر عملِ خیر کو اپنے اندر جذب کرے۔ اس نظام کا تعین اس وقت ہو چکا تھا جب کسی رُوسو کے دماغ میں ایسے نظام کا خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔ اس نظام کی بنیاد ایسے اخلاقی نصب العین پر رکھی گئی ہے جس کی رو سے انسان جمادات اور نباتات کی طرح پابہ گِل مخلوق نہیں سمجھا جاتا کہ اس کو کبھی اس خطۂ زمین سے منسوب کر دیا اور کبھی اس سے، بلکہ وہ ایک ایسی روحانی ہستی سمجھا جاتا ہے جس کی قدر و قیمت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ایک خاص معاشرتی نظام کی مشینری میں اپنی جگہ فٹ ہو۔ وہ ایک فعال مشینری کا پرزہ ہوتا ہے اور اسے ٹھیک انداز سے چلانے کے لیے اس پر حقوق و فرائض کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔''

یہ ہے برادرانِ عزیز وہ نظام جسے شرعِ مبین یعنی قرآن کریم، خود انسانوں کے ہاتھوں، ان کے ایمان و عملِ صالح کی بنا پر قائم کروانا چاہتا ہے اور جس کا مقصود یہ ہے کہ ؎

کس نہ گردد در جہاں محتاجِ کس اور

کس دریں جا سائل و محروم نیست عبد و مولا، حاکم و محکوم نیست

(مندرجہ بالا خطاب، دبستانِ اقبال، گلبرگ لاہور کے اجلاس مورخہ 28 جنوری 2017ء میں پیش کیا گیا تھا)

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل مقامات پر بذریعہ ویڈیو ٹیپ ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس، فون نمبر، ای میل یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ احمد نواز خان۔ فون: 0992-334699۔ موبائل: 0314-5035285	بروز جمعہ	3 PM
اسلام آباد	مکان نمبر 302۔ اسٹریٹ نمبر 57۔ سیکٹر F-11/4۔ رابطہ ڈاکٹر انعام الحق۔ فون: 051-8357302 Email: dr.inam57@gmail.com		
اوکاڑہ	بر مکان احمد علی، بیت الحمد 180-AB-4، ابوبکر بلاک شادمان کالونی، ایم۔اے جناح روڈ، نزد مبارک مسجد رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325، موبائل: 0321-7082673	بروز جمعہ	3 PM
پنج کسی	بر مطب حکیم احمد دین۔ رابطہ ڈاکٹر محمد سلیم قمر تحصیل کبیر والا ضلع خانیوال فون نمبر: 0345-7385320 Email: muhammad_saleem450@yahoo.com	بروز جمعہ	3 PM
پنڈ دادن خان	رابطہ محمد نذیر۔ بمقام وڈاک خانہ روال نزد غریب وال سیمنٹ فیکٹری، تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم فون نمبر: 0346-6450130 Email: nazeernaz@hotmail.com	بروز بدھ	بعد نماز عشاء
چوٹی زیریں	بر دوکان لغاری برادرز، زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ موبائل: 0331-8601520	ہر ماہ پہلا اتوار	12 Noon
چنیوٹ	W-11/9، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: چوہدری دلمیر خان، فون: 047-6331440، موبائل نمبر: 0321-7704564	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0331-5035964 Email: abidhussain3012@hotmail.com	بروز اتوار	9:30 AM
راولپنڈی	بر مکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5191248، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10 AM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد کی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-3711233 0306-6730342	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف 03007158446۔ محمد طاہر بٹ 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065 Email: bazamfaisalabad@gmail.com	بروز جمعہ	4PM
فیصل آباد	جاوید کلینک بالمقابل فریدی مسجد، قادر آباد، چوک غلام محمد آباد، فیصل آباد رابطہ: ہومیو پیتھک ڈاکٹر ایم یونس جاوید، موبائل نمبر 0300-7656804	بروز اتوار	10AM
کراچی DHA	48 سی، 21 کمرشل اسٹریٹ، بمیز انین فلور، فیز 2، ایکسٹینشن ڈی ایچ اے، کراچی، رابطہ: محمد اقبال Email: bazmkhi@hotmail.com, 0300-2275702_021-35395702، موبائل نمبر: Web:www.mafhoomulquran.com	بروز اتوار	10AM
کراچی لانڈھی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5، ایریا 36/C، پوسٹ کوڈ 74900 رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-35031379-35046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی ملیر سٹی	ناج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون: 021-35421511، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-34179307 Email: asif.jalil1@gmail.com	بروز اتوار	11 AM
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-35714546 0321-4460787 Email: idarati@gmail.com	بروز اتوار	9:30AM
لاڑکانہ	مکان نمبر 1582 پرانا عیدگاہ روڈ نزد قاسمیہ مسجد محلّہ جاڑل شاہ۔ رابطہ سکندر علی عباسی، فون: 074-4042714، اللہ بخش شیخ، موبائل: 0333-7542644	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: ماسٹر خان محمد، (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلّہ صوفی پورہ۔ موبائل نمبر: 0334-4907242 فون نمبر: 0456-520969	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی، صوابی	اسرار اللہ خاں c/o جوہر علی شاہ۔ محلّہ خود خیل کرنل شیر کلی۔ تحصیل رزڑ۔ ضلع صوابی۔ فون: 0336-9770807, 0301-8344296 Email: israrullah901@gmail.com	بروز اتوار	10 AM
صوابی	گاؤں وڈاکخانہ چارباغ تحصیل وضلع صوابی رابطہ: عمر فاروق موبائل: 0343-8981935		
ملتان	بر مکان مظہر حیات۔ نزد مین گیٹ خواجہ فرید سوشل سیکوریٹی ہسپتال وہاڑی روڈ۔ ملتان۔ رابطہ شان الٰہی مظہر، موبائل: 0300-4469722	ہر اتوار	
مینگورہ۔ سوات	رابطہ۔ خورشید انور، معرفت طارق آپٹیکو۔ خالد پلازہ حاجی شمس الحق۔ نشاط چوک۔ مینگورہ ضلع سوات فون: 0315-9317755 Email: khurshaidanwar@yahoo.com	ہر ماہ پہلے جمعہ کو	2PM
علی گرام۔ سوات	علی گرام۔ تحصیل کبل ضلع سوات۔ رابطہ محمد ظاہر شاہ خان۔ فون: 0346-9467559 حجرہ عظیم خان۔ فون: 0341-4342200	ہر اتوار	8:30AM
فتح پور۔ سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 0946-840800 موبائل: 0315-9317755 امیر زیب خان۔ موبائل: 0344-9893235	ہر اتوار	3PM

Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل)**

Chapter 10: Morning's melody (نوائے صبح گاہی)

(Tulu-e-Islam Convention, November, 1967)

By G. A. Parwez (Translated by: M. Alam)

Episode No: 2

So, O fellow-travelers of Quranic caravan! If such a change is not happening in our character and personality then our understanding of the Quran is no more than applause for poetry. In fact, there is harm in this in that a person gets into self-deception that he is far ahead of others in his understanding of the Quran; and starts feeling superior compared to them. One who is under this spurious spell must know that he is not receiving any benefit from the Quran. If we do want to become superior compared to others then that would only happen because of improvement and advancement in our character and personality. Just by being in agreement with the mission of Tulu-e-Islam or by claiming to understand the Quranic thought you cannot feel superior and advanced compared to others. Please get this immature thought out of your mind. It is quite possible that those who are not in agreement with us may be of higher quality in character. Therefore, you do not have any right to feel superior because of your association with Tulu-e-Islam. It is highly necessary that we do self-accounting and self-analysis at every step. We should take stock of our life and of life of those around us: whether or not our family life is peaceful like heaven; whether or not our dealings with friends is based on sincerity and harmony; whether or not in our dealings with others is based on honesty and integrity; the trust and the commitment that we have promised with this movement whether or not we are faithful and trustworthy with that assurance; and above all, how much enthusiasm for selfless sacrifice we have to share the pain and difficulty of others and whether or not we carry any trace in our heart of seeking self-promotion or egoism in this effort? If these positive changes are happening inside of us then our association with the Quranic thought will be beneficial. Otherwise, it is no more than intellectual entertainment. In that case people can rightly blame us and say:

Yes, the fall season is worthy of all the blame anyway;
But why didn't flowers bloom, in the spring anyway?

But if you, my dear friends, create this heavenly change inside your own selves then you could happily and rapturously say to the Quranic garden:

This is the eternal spring that has come to your garden;
Let any season come from any plains or any mountain!

Encouraging change

My dear friends, now I come to the aspect of accountability that lifts my spirits and produces twinkle in my eyes. And this is the program that you undertook in

last year's convention for publishing and broadcasting Tulu-e-Islam's literature. I pray for you with all my heart and soul at the progress you have been able to achieve in this program. You have been able to fulfil this need whose lack had been a great barrier in the way of propagation of Quranic thought. The success on this front has increased my age; and my enthusiasm for this mission has become re-energized and refreshed. This has produced a very positive impact on the country's environment for the Quranic thought, whose proof is visible everywhere. Intellectuals of our nation have started thinking on this line. So much so that it has affected our religious leaders and Imams who, from every pulpit, are now forced to present the actual realities of life to people instead of parroting the usual fictional religious stories and superficial narrations. People are no more interested in listening to age-old worn out tales. The sacred love for priesthood has disappeared from people's hearts. Religious priesthood's existence has become no more than fulfilling social customs and community rituals. Wherever you go you will find (no matter what words are used by secular or religious leaders) the spirit is of Tulu-e-Islam's everywhere so much so that they are directly using its terms and terminologies.

Now, it is the same passionate word that is being used everywhere by everyone;
Whatever the reason, the good stuff is being advanced everywhere by everyone!

The reality is that yours, my dear respected brothers, is the only Quranic movement that is based on intellect, analysis, holistic thought, and deep wisdom. Others are nothing but political action groups creating chaos and noise which use the name of Islam for ulterior motives; or they are naïve and simplistic minded the way 786 is written on top of letters as a sacred number but the content has nothing to with Islam. Whether they may be rulers or priests – they all exploit Islam for their own selfish ends. No one thinks of improving the human misery and pain:

Some are interested in color, some in the perfume;
Who cares what happens to the poor broken petals?

My dear friends, it is *you* who care about the broken petals, i.e., about the broken souls of the society, the poor and neglected peoples of the world. It is your program that transcends the symptoms and talks about the root of the issues. If you continue your good efforts like the way you have been, then you will see with your own eyes how this Earth starts shining with the light of its Sustainer. My dear friends, I am very hopeful. My fingers are on the veins of time and my eyes are on the speed of the movement of the age. I clearly see that

nations of the world are fed up with their self-crafted deities and are in search of a quiescent place where after reaching they could say:

This is the place of deep devotion, for my prostration;
Although we are on the Earth, but our goal is Heaven!

As for the multitude of opposition to this movement my friends, these are ephemeral. Gathering your courage and fortitude, please continue your effort. Your oppositions will melt away like lead or scatter away like dust particles. They fly way like cotton flakes or they will flow away like scum. The time will throw them away like straws or burn them away like trash. Please remember this reality:

The vast crowd of sad stars on the forehead of dark night;
These are only until the rise of the morning's bright Sun!

My dear friends, we don't oppose anyone's party. We don't compete with any organization. All what we are doing is, carrying the light of the Almighty Allah's great Book in our hands; and we are busy in a continuous journey and traveling without any rest so that humanity's path could become bright. If selfish groups consider this their opposition then we cannot leave the humanity to remain in darkness for their sake. If bats become restless due to arrival of the Sun then the Sun cannot hide behind the cover of night's darkness. Just as we cannot hide Quran's light under the cover of darkness, in the same way we cannot leave the الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (*Siraat-al-Mustaqeem*) and follow behind some non-Quranic traveler. The carriers of Quran's banner openly declare:

We change the direction of the wind;
Let the world come and walk with us!

Our caravan is no doubt very modest. Our wherewithal is next to nothing. Our means are limited. Our resources are meagre. But the heavy treasure of Allah that we are carrying as a trust in our journey is so precious and so valuable that we are ready to sacrifice our all in order to protect it from every pirate that may come our way. To these pirates, the nature proclaims:

If you loot them then you will become completely bankrupt;
Those with no wherewithal, except their own valuable soul!

Therefore, my dear friends and my journey partners! Please keep on spreading and advancing this voice of the Quran. The destination is waiting for you spreading its open arms to welcome you, to receive you, and to embrace you:

In the lovely garden, spring's magic is in the air;
Birds are singing; what an enthralling atmosphere?
Bring out whatever is hidden in your heart and soul;
Sublime music, sweet song, deep sigh, and loud call!

Expecting no reward nor thanks

But my dear friends, in this journey there comes a valley where the robber is not some outside pirate waylaying us, but it is our own inner thief hidden deep inside our hearts. This valley is such that if our feet ever slip then we fall straight inside the deep cave of hell. What is this valley? Well, my brothers, this is the hidden valley deep inside our hearts of our emotional or our psychological expectation of receiving some reward of our effort; or hoping to achieve some name or fame in this work. Therefore, we must not let even a fleeting thought to enter our minds of achieving recognition, let alone expecting any material reward in this Quranic work. Otherwise, it will generate the spark of شرک (*Shirk*) that will fly and burn all the fruits of our labor. The Quran has explained this point very succinctly: اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ (17:7) – If you persevere in doing good, then you will but be doing good deeds to your own selves. And moreover: لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰىهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ (2:272) – O Prophet (PBUH)! It is not your responsibility to make people follow the right path. One adopts the right path oneself in the light of the Divine Guidance. You must simply tell the people that whatever they spend it is for the development of their own personality provided the motive for the spending is none other than the establishment of the Divine Order and the achievement of harmony with the laws of Allah.

My dear friends, please mark this point deeply in your mind! It looks you are giving to others but in fact you are giving it to yourself. Think about it, my brothers, like this to make things clear in your heart: If you make a house for yourself do you announce to the community that you have built it for others? If you eat food yourself do you tell that you have fed others? You don't. This is the same situation with effort or resources spent in the way of the Quranic movement. If you think that you are doing it for yourself then in your heart there won't arise any desire for self-promotion or receiving psychological or emotional, let alone receiving any material reward from others. But if such desires do arise in your hearts then you should know that these are arising from the devil sitting inside your heart; and these desires will burn the results of all your efforts and turn into a heap of ash. The Quranic mind has such a nature that it even tells Allah, let alone humans that:

Your magnificence of giving shouldn't discern of your giving!
Your alms flow such that beggar's hand knows not receiving!

The world of poor people

In this connection we should also keep this important fact in mind that there are many individuals in our caravan without means – even for travel. They

cannot financially contribute to our movement. But they are participating in this gathering carrying the great treasure of truth and sincerity in their hearts that is priceless. Please keep these souls of pure character (of truth and sincerity) always in your mind, and listen carefully (with your hearts): Even if a subtle sense of feeling enters their hearts that they are somehow inferior to those who financially contribute then this gathering will become the rap club of devil, not the field of mercy of the universal Sustainer of the worlds. These souls of pure sincerity and truth should be given prominent position in our gathering. If they are poor and deprived then we are responsible for their condition. Our wrong society is responsible for their state. Won't this be a great injustice that we punish *them* for *our* crimes? It is *this* devilish capitalistic system in which the wealth becomes standard for respect. You have risen to demolish this system and to establish the system of Allah in its place. But, even to you, if wealth becomes the standard of respect then your every claim is false and your every wish is mirage. Protect yourself from this deception of Iblis. Otherwise, you won't be anywhere in the eyes of Allah even after doing all the work for this movement.

***

Fulfilling promises

Lastly, I want to draw one more fact to your attention. You come here from far off places throughout the country. You tolerate all the hardships and difficulties of this journey; and you bear all the expenses that accompany such travels. After three days of discussions and deliberations you pass some resolutions to carry them out. But it so happens that these resolutions remain only on paper.

My dear friends, have you ever thought what these resolutions mean? It means that you sign a contract with Allah that you will fulfil these things for the sake of the Quran. Just think about it? When you don't fulfil these resolutions then it is a great crime in the eyes of the Allah. So, I will request you to please keep in mind that when you pass a resolution then it is a promise that you are making with Allah. Therefore, please only will pass those resolutions that you know you will be able to carry out. What could be the result of passing traditional resolutions just for the sake of resolutions (with no intention of fulfilling them) except that you will be standing in the witness box of Allah as a criminal.

***

My dear respected friends, whatever I had to say in this session I have said. In the end I pray that may Allah keep you happy and healthy; and make you successful and productive in higher goals of life. Your company in this last stage of my life boosts my energy hundred folds; and your love for this movement is worth unimaginable forbearance for me. When I am alone I feel:

It is as if you are with me;
When no one is around me!

And when I am together with you then I have such a feeling that:

Everything I got after asking you from Allah;
My hands do not rise in plea after this prayer!

How happy is that traveler who is lucky to have company of fellow-travelers like you. Believe me! No difficulty or untoward challenge frightens me when I have your company. I know that a whole world of opposition surrounds me from all sides but it doesn't bother me:

I don't feel any sorrow that the world has turned against me;
It is you who sustain my life, please don't ever turn against me!

And I am living with this determination and conviction that you won't change, no matter what. How great is this conviction; and how pleasant and surprising is this feeling, is beyond words? May Allah keep this conviction burning in my heart forever!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

تصحیح

گذشتہ لمعات میں انگریزی لفظ Allegation کے سپیلنگ پروف ریڈنگ کے دوران درست نہیں کئے جا سکے۔ براہِ کرم اپنے نسخوں میں درست فرما لیجئے۔ شکریہ

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی قرآن کریم کے احکام وقوانین کی اطاعت اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر امت کے مشورہ سے متعلقہ امور کے فیصلے۔ اس طریق کو خلافت علیٰ منہاج رسالت کہا جاتا ہے۔

8- بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہو گیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ اس سے امت میں انتشار پیدا ہو گیا۔ خلافت کے زمانے میں تمام امورِ دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔ لیکن بعد میں مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہو گئی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

9- ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو امت کو احکام وقوانین خداوندی کے مطابق چلائے۔ اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو مرکز ملت کہا جائے گا اور اس کی طرف سے جاری شدہ احکام کی اطاعت خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے قائم مقام قرار پائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانین خداوندی کے تابع ہوگی۔

10- چونکہ دین کا نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا' اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہو جائے گی۔ یعنی اس میں یہ نہیں ہوگا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی امور کے لئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔ اس میں یہ دونوں شعبے باہمد گر مدغم ہو جائیں گے۔

11- جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہو جاتا' امت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز' روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل کر رہے ہیں' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کوئی ردو بدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کر کے اسے ''خدا اور رسول ﷺ'' کا طریقہ قرار دے۔ یہ حق قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کو پہنچتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ امت کے اختلافات کو مٹا کر اس میں وحدت پیدا کرے۔

12- قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی' روٹی' کپڑا' مکان' علاج' تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

13- قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہو سکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کر سکتا ہے۔ خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو' یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔ اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں لہٰذا باطل۔

14- جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو' یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

15- ہم' رسول اللہ ﷺ کے بعد' ہر قسم کے مدعی وحی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

16- طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقہ اہل قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں)' نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔ امت کے مختلف فرقے جس طریق سے نماز' روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں' ہم ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کرتے۔ ہم صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کا قیام عمل میں آ سکے۔ یہ ہے ہمارا مقصد' جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آ رہے ہیں۔

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL. 70
ISSUE
6

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
Web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/

جشنِ نزولِ قرآن مبارک

اے نوعِ انسانی! تمہارے پاس تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات آ گیا ہے جو ہر اس کشمکش کا علاج ہے جو تمہارے سینوں کو وقفِ اضطراب رکھتی ہے۔ جو قوم اس کی صداقتوں پر یقین رکھتی ہے یہ اس کی رہنمائی، زندگی کی منزلِ مقصود کی طرف کرتا ہے اور اسے سامانِ نشوونما سے بہرہ یاب کر دیتا ہے۔ کہو کہ یہ خدا کے فضل ورحمت سے عطا ہوا ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایسے ضابطۂ حیات کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ۔ یہ اس تمام ساز وسامان سے بہتر ہے جسے تم جمع کرتے ہو۔ (10:58)

(مفہوم القرآن سے اقتباس)